وسیم بریلوی
شخص اور شاعر
قمر گونڈوی

# وسیم بریلوی

## شخص اور شاعر

مرتب

**قمر گونڈوی**

B

براؤن بک پبلی کیشنز نئی دہلی

**Waseem Barelvi Shakhs Aur Shaer**

*By*

**Qamar Gondvi**

ISBN: 978-81-928124-4-1

ایڈیشن : 2016

قیمت : 200

کاغذ : 80Gsm سن شائن

مطبع : APAC ڈجیٹل، نئی دہلی ـ 110002

ناشر : براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی ـ 110025

www.brownbookpublications.com



تقسیم کار:

- ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ممبئی
- کتابی دنیا، دہلی
- ادبی مرکز، گورکھپور
- الرحمان بک فاؤنڈیشن، سری نگر

کچھ اس طرح سے مرتب ہے داستان وسیم
جہاں سے چاہیے دوہرائیے فسانے کو
قمر گونڈوی

## انتساب

# محمد علی موجؔ رامپوری

یہ سراپا کہیں نہیں دیکھا
اے میاں آپ کس جہان کے ہیں

# فہرست ابواب


| | | |
|---|---|---|
| حرف چند | پروفیسر احمر لاری | 7 |
| مقدمہ | قمر گونڈوی | 9 |
| پروفیسر وسیم بریلوی: ایک تعارف | قمر گونڈوی | 33 |
| وسیم حیات وخدمات | قمر گونڈوی | 38 |
| عصر حاضر کے زخموں کی گواہی | پروفیسر محمد حسن | 73 |
| وسیم بریلوی کی شاعری ان کی شخصیت کی عکاس | پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین | 76 |
| وسیم بریلوی: نئی نعت کا پیش رو شاعر | احمد جاوید | 92 |
| بلندیوں پر ٹھہرنے والا شخص وسیم بریلوی | انور جلال پوری | 99 |
| وسیم بریلوی | مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی | 101 |
| قمر کے دوست وسیم بریلوی | سید وصی الدین، بہرائچ | 104 |
| ایک شاعر وسیم بریلوی | سید امتیاز الدین | 106 |
| میرا پسندیدہ شاعر وسیم بریلوی | ایم۔اے۔قدیر | 110 |
| یہ اک چراغ کئی آندھیوں پہ بھاری ہے | اصغر ویلوری | 112 |
| میرا برادرِ خورد وسیم بریلوی | ڈی۔این آریہ | 117 |
| بہار ور کا کارواں | قمر گونڈوی | 122 |
| شہروں کو بلند عمارتیں نہیں، اعلیٰ خیالات زندہ رکھتے ہیں | قمر گونڈوی | 126 |

| | | |
|---|---|---|
| مزاج کا شاعر | نشور واحدی | 130 |
| کرب وغم، رنج واندوہ کا شاعر | نشور واحدی | 136 |
| پروفیسر قررئیس کی باتیں قمر گونڈوی کی زبانی | قمر گونڈوی | 140 |
| کچھ یادیں کچھ باتیں | قمر گونڈوی | 150 |
| وسیم بریلوی کا شعری سفر | قمر گونڈوی | 156 |
| وسیؔم بریلوی: ایک نظر میں | اشفاق احمد عمر | 159 |
| اپنے ہی عہد میں اک شخص فسانہ بن جائے | ابرار کاشف | 174 |

# حرف چند

پروفیسر آحمر لاری

آزادی کے بعد مشاعروں میں شرکت کرنے والوں کی اکثریت ایسے شاعروں پر مشتمل ہے، جن کی کوئی ادبی حیثیت نہیں ۔لیکن وسیم بریلوی ان شاعروں میں شامل ہیں جن کی ادبی شناخت بھی ہے۔ان کے متعدد شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں سے تین (۱) میرا کیا (۲) آنکھوں رہے (۳) موسم اندر باہر کے،اس وقت میرے سامنے ہیں۔ساتھ ہی قمر گونڈوی کی تالیف کردہ کتاب (مسودہ) وسیم بریلوی شخص اور شاعر میرے پیش نظر ہے اور اسی کتاب کے لئے یہ پیش لفظ قلم بند کر رہا ہوں۔

آزادی سے کچھ قبل اور آزادی کے فوراً بعد ایک ایسا دور آیا تھا جب جگر مرادآبادی، فراقؔ گورکھپوری اور نشورؔ واحدی جیسے ممتاز شعرا مشاعروں کی روح رواں ہوتے تھے، بعد کی نسل میں جو شعراء ادبی شناخت کے ساتھ مشاعروں کے روح رواں بنے ان میں احمد فرازؔ، وسیمؔ بریلوی اور والی آسی نے مجھے خاص طور سے متاثر کیا۔

پروفیسر وسیم بریلوی میرے ہم پیشہ وہم مشرب ہیں ۔ گورکھپور، قصبہ لار اور اطراف کے مشاعروں میں ان سے بار بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ایک بار روہیل کھنڈ یونیورسٹی (RDC) کی میٹنگ میں بھی ملنے کا موقع ملا۔اس وقت وہ اس کمیٹی کے کنویز تھے ۔ وہ روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں اردو کے صدر شعبہ اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس تھے لیکن انھوں نے ان عہدوں کو کبھی اہمیت نہیں دی بلکہ وہ گیسوئے اردو شاعری کو سنوارنے اور نکھارنے میں تندہی

سے مصروف رہے۔

وسیم بریلوی نے یوں تو نظمیں بھی کہی ہیں گیت بھی لکھے ہیں مگر اصلاً اور مزاجاً وہ غزل کے شاعر ہیں۔ اردو ادب کا استاد ہونے کے ناطے ان کا کلاسیکی ادب کا مطالعہ وسیع ہے۔ انھوں نے کلاسیکی غزل کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی غزلوں میں جرأت اور ندرت پیدا کی اپنے ناقص مطالعہ کے باوجود مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ ان کی غزلوں میں میرؔ اور مصحفیؔ کے گہرے اثرات ہیں۔ ان کی دردمندی اگر میرؔ کی یاد دلاتی ہے تو ان کی نیرنگی نظر مصحفیؔ کی۔ وسیم کے کلام میں جذبے کی شدت بھی ہے فکر کی تازگی بھی ہے اور اپنے عہد اور ماحول کی عکاسی بھی۔ وہ لفظوں سے کھیلتے نہیں بلکہ انھیں برتتے ہیں اور ان کے ذریعہ معنویت کا جادو جگاتے ہیں۔ قمر گونڈوی صاحب بھی خادم جگر اور منفرد مزاج شاعر ہیں ان کے بھی کئی شعری اور نثری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اس تحقیقی کتاب کو بھی مقبولیت حاصل ہوگی اور اس کے ذریعہ وسیم بریلوی کی شخصیت اور شاعری کے افہام وتفہیم میں مدد ملے گی۔

احمر لاری

۳ر نومبر ۲۰۰۸ء

(ادبستان) رحمت نگر ڈاک خانہ،

گیتا پریس، گورکھپور ر ۲۷۳۰۰۵

# مقدمہ

قمر گونڈوی

وسیم بریلوی کو میں نے غالباً بیس پچیس سال پہلے کنور سورج نارائن ادب سیتا پوری کے یہاں رام لیلا کے سالانہ مشاعرے میں سن رکھا ہے اور دیکھا ہے یہ مشاعرہ سال بہ سال ادب سیتا پوری اپنی عالیشان کوٹھی پرانے سیتا پور میں ملک ہند کے مترنم شاعروں کو مشاعرے کا دعوت نامہ بھیج کر بلاتے تھے اور انہیں دنوں آج کے ڈاکٹر بشر بدر صاحب سیتا پور محکمۂ پولیس میں خزانچی کی پوسٹ پر تعینات تھے مرحوم وصی سیتا پوری کے دوست تھے اور ہر شام کنور صاحب سے ملنے پرانے سیتا پور ضرور آتے تھے کنور سورم نارائن ادب صاحب کو شعر و شاعری سے روحانی لگاؤ تھا آج کے سیتا پور میں جو معیاری شعری ماحول نظر آتا ہے یہ کنور سورج نارائن ادب سیتا پوری کی دین ہے ادب صاحب تو ادبی کمال دکھا کر جہاں سے آئے وہاں واپس لوٹ گئے مگر ادب صاحب کی محفل کے سرگرم رکن ایک شاعر صاحب ادبؔ صاحب کو بھلا کر اپنے نام کی محفل جمائے ہیں مگر جس نے اپنے زمانے میں ادبی فضا قائم کی تھی آج سیتا پور میں اس کا کوئی بھی نام لیوا نہیں ہو اگر آج وسیمؔ بریلوی سے میں ادب سیتا پوری کا ذکر چھیڑ دوں تو مجھے یقین ہے جب تک میں ادبؔ صاحب کا قصہ کہتا رہوں گا وسیم پر خلوص ہو کر سنتے رہیں گے وسیم صاحب غزل کے علاوہ خود بھی نعت کے اچھے اور واجبی شاعر ہیں لہٰذا مجھے یقین ہے ادبؔ صاحب کا نعتیہ قطعہ آج بھی وسیم صاحب کو ازبر ہوگا جسے سن کر سیتا پور کے SP آغا محی الدین شاہ صاحب مرحوم نے آنجہانی ادب صاحب کو گود میں بٹھا لیا تھا۔

محمدؐ ایک فرقے کے نہیں ہیں　　محمدؐ سب کے ہیں اور بالیقیں ہیں
ادب لائے نہ کیوں ایمان ان پر　　محمدؐ رحمت للعالمیں ہیں

وسیم بریلوی کے یہ نوعمری کے دن تھے سبزہ اگ رہا تھا لمبی لمبی زلفیں ان کے شانوں پر بکھری رہتی تھیں لمبے تڑنگے بھرے بھرے بازوں والے جوان تھے چہرے پر غضب کی شگفتگی تھی جب وہ غزل پڑھتے تھے سرخ وسفید چہرہ مزید گلاب کی طرح سرخ ہو جاتا تھا آواز میں کرب وکشش تھی وہ انہیں دنوں ایسے شعر پڑھتے تھے کہ سننے والے آبدیدہ ہو جاتے تھے مجھے آج بھی حضرت وسیم کا یہ شعر یاد ہے جس نے مجھے پروں چشم نم رکھا۔

مری تلاش کو بے نام وسفر کر دے　　میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کر دے
بکھرے ٹوٹتے رشتوں کی عمر ہی کتنی　　میں تیری شام ہوں آجا مری سحر کر دے

وسیم بریلوی کے ہمراہ پہلی دفعہ انور چغتائی کو دیکھا تھا انور چغتائی کا شماران دنوں بریلوی کے استاد شاعروں میں ہوتا تھا یہ انڈین ریلوے میں بڑی پوسٹ پر تعینات تھے بعد میں انور سے میری بڑی اچھی دوستی ہو گئی مگر پھر کبھی انور چغتائی کو وسیم کے ہمراہ نہیں دیکھا۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں وسیم صاحب جب رقت آمیز آواز میں کربناک غزل کے شعر سناتے تھے تب سامعین انگاروں پر لوٹ جاتے تھے نوعمری کے دن درد بھری آواز نیز آواز کا زیر وبم جوان کی غزلوں میں چار چاند لگائے ہیں، حضرت جگر مرادآبادی حضرت مجروح سلطان پوری کے بعد میں ادبی طور پر جس شاعر سے سب سے زیادہ متاثر ہوں وہ ہیں جناب وسیم بریلوی، وسیم صاحب بھی میرے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔

سچے اور کھرے قلم کا راعتبار فکر ونظر بھائی قمر گونڈوی مگر وقت کی گردشیں اب کل جیسا ماحول نہیں رہ گیا لیکن خدا کا شکر ہے میں کل جیسے تھا ویسے ہی آج بھی ہوں۔

ہم سے تم مل کے جہاں بچھڑے تھے
ہم وہیں تم کو ملیں گے شاید

ہاں وسیم صاحب بڑے ہو کر واقعی بہت عظیم ہو گئے انہیں ان دنوں فرصت نہیں ہم جیسے بے قدروں کے فون کا جواب دیں پھر بھی وسیم صاحب کا تصور میرے لیے جیسے کل بہت دلکش و

دلنواز تھا ویسے ہی آج بھی ہے اور آج بھی جگر مرادآبادی اور مجروح سلطان پوری کی جیسی عنایت اور مہربانی مجھ پر تھی میں سمجھتا ہوں آج بھی میں ان دونوں بزرگوں کی عنایت و مہربانی کے سائے میں ہوں وسیم صاحب دور ہو کے بھی مجھ سے بہت قریب ہیں میں ان کے حق میں آج بھی دعا گو ہوں وسیم صاحب کی جب بھی نظر مجھ پر پڑتی ہے انہیں پرانی یادیں آجاتی ہیں۔ میں مثال کے طور پر عرض کروں نئی دہلی میں ملاقات ہوگئی بولے قمر صاحب آپ؟ پتلون کی جیب میں ہاتھ گیا اور میری شیروانی کے جیب میں گھس گیا بولے چائے وغیرہ ملی۔ میں نے کہا ملی بولے اسی کمرے میں ٹھہرئے PA سے کہا قمر صاحب کا کھانا لگوا دینا میں نے کہا حاجی میاں فیاض الدین کی گاڑی لایا ہوں ڈرائیور صاحب بھی میرے ہمراہ ہیں بولے کوئی حرج نہیں ان کا بھی کھانا PA صاحب کرادیں گے جونہی پلٹے میں نے اپنی تازہ تصنیف ''موج رواں'' نذر کی بولے قمر صاحب آپ نے اردو کی بہت خدمت کی ہے پھر کہنے لگے ڈائرکٹر اکرام صاحب سے ملیے میں نے عرض کیا ہاں اور ''موج رواں'' کا نسخہ بھی نذر کردیا ہے۔

وسیم بریلوی نے اپنی شاعری کی بسم اللہ نعتیہ شاعری سے کی جب وہ رام پور میں تھے تب موصوف نے مرغیوں کا بھی تجربہ کیا مجالس میں جب وسیم مرثیہ پڑھتے تھے تو اہل محفل پر رقت طاری ہوجاتی تھی خود بھی آنسوؤں میں ڈوب جاتے تھے رنج والم کی کیفیت دیکھ کر اہل مجلس ان سے دوسرا نوحہ پڑھنے کی گذارش نہیں کرتے۔ وسیم بریلوی کی نعتیہ شاعری کی بسم اللہ کب ہوئی میرے پاس اس کی کوئی مستند سند نہیں ہے اور نہ ہی بتا سکتا ہوں دنیائے شعروشاعری میں ان کا استاد کون ہو جب وسیم ادبی محفلوں میں شامل ہونے لگے تو بقول مرحوم ڈاکٹر سعید عارفی وہ زمانہ 1962 کا ہو وہ محفلیں زیادہ تر نعتیہ یا نوحوں کی ہوا کرتی تھیں اور سچے اور دیندار مسلمان کی صورت میں کلام سناتے تھے، لمحے لمحے 96 کے بدایوں میں وسیم بریلوی کے ادب نوازی کا ثبوت ملتا ہے اور یہی وسیم صاحب کا ابتدائی دور ہے اسی میں وسیم صاحب کا اک طویل خط ان کے ادب کی شہادت میں چھپا ہوا اس کا مطالعہ کئے بغیر وسیم بریلوی کے بارے میں کچھ تحریر کرنا اندھیرے میں تیر چلانے کے مصداق ہوگا یعنی جو حضرات اپنی ذمہ داریوں کا پاس کرتے ہوئے سود وزیاں کی بحث میں پڑتے ہیں بغیر سمجھے بوجھے صحیح انداز تحریر سے کوسوں دور ہیں اس لیے ان قلم کاروں

کاشکریہ ادا کرتا ہوں کہ کچھ نہ بولنے کے بجائے صحیح غلط کچھ تو بولے جیسے کہ وسیم خود کہتے ہیں۔

ہمارے بارے میں لکھنا تو بس یہی لکھنا
کہاں کی شمعیں ہیں اور کن محفلوں میں جلتی ہیں

اگران تفصیلات میں جایا جائے تو خود کو تخلیق کار کہنا اچھا نہیں لگتا۔

اس دور میں جتنا کڑا وقت اردو پر پڑا وہ شاید ہی ادبی تاریخ میں کسی اور زبان پر پڑا ہو جب کہ ہندوستان میں درجنوں زبان بولنے کا رواج ہے ہندوستان کی دستوری اعتبار حاصل کرنے والی دس زبانوں میں اردو زبان بھی ہے جس کے علاقہ کا تعین آج تک نہ ہو پایا اور یہ زبان آج بھی در بدری کی زندگی گذار رہی ہے۔ آزادی کے بعد اردو کو جس جارحانہ نفرت کا شکار ہونا پڑا اس کے نتیجہ میں اردو کے اچھے ذہن حصول معاش کی خاطر شاعروں کے حامی و مددگار ہو گئے۔

وسیم صاحب 1962 میں شعبۂ اردو کے انٹرویو میں حصہ لینے کے لیے سری نگر کشمیر یونیورسٹی گئے تھے وہاں بیس بائیس دن رہے جذباتی زندگی کے پیچ در پیچ وسیم کو چین سے کبھی بیٹھنے نہ دیا ان دنوں مظفر نگر کے مشاعرے سے محض اس لیے واپسی ہوئی کہ بڑے عامیانہ کلام پر چھیں اڑ رہی تھیں یہ ذکر 1961 کا ہے لیکن اسی مظفر نگر میں اسلامیہ کالج کا وہ مشاعرہ بھی انہیں یاد ہو جس میں ملک ہند کے مقبول شعرا کے علاوہ پاکستان سے قتیل شفائی بھی شریک تھے اور یہاں جس طرح سنجیدہ طبقہ سے شعرفہمی کا ثبوت دیا اور محبتوں سے نوازا اس نے موصوف میں بڑی ہمت پیدا کی اس کے بعد جیسا کہ اوپر تحریر ہوا وسیم کشمیر میں ٹھہرے خوب سیر سپاٹا کیا ہر شام شعری نشست، لکھنؤ کے کچھ استاد شاعر بسلسلۂ ملازمت سری نگر میں تھے آئے دن دعوتیں سیر و تفریح شعر و شاعری اسی قیام کے درمیان ایک نظم مجموعہ کلام ''تبسم غم'' میں بعنوان ''شوروم سے گلمرگ تک'' احباب کی محفل میں چین کی تیری بج رہی تھی ہم عمر احباب کی خاطر تواضع، نا آشنا فضا پس چہل قدمی سونا، صبح اٹھنا، ڈل کے پانی سے کھلواڑ پہاڑوں سے سورج کا نکلنا شام کو پہاڑوں کے پیچھے سورج کا اتر جانا قدرت کے یہ مناظر لگتا تھا کوئی طاقت ہے جو اس نظام کو ڈرائیو کر رہی ہے غالب نے ٹھیک ہی کہا ہے:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ مرے آگے

عباد صاحب، ہاشم صاحب اور مرحوم وجیہہ الدین زیبا صاحب کے ساتھ بہت سی صبحیں بہت سی شامیں گزریں اب جی بھر گیا بریلی واپسی کی سوچ رہے ہیں۔ احباب ہنسی اڑاتے ہیں دوسرے مضر تھے وسیم ابھی کچھ دن اور ٹھہریں وطن کی واپسی کا مذاق اڑتا تھا طبیعت گھبرانے کی بات منہ سے نکل گئی اب تو مجھے جانا ہی ہوگا تو اس اصرار پر ٹورسٹ سینٹر پر انہیں احباب لے کر آئے ہاشم نے پتہ لگایا 2/جون تک کوئی سیٹ خالی نہیں ہے حالانکہ موصوف کے پاس واپسی کا ٹکٹ تھا مگر احباب خدا جانے کیوں ان کی واپسی کا مذاق بناتے تھے بتاؤ اب کیا کروگے 2/جون سے پہلے واپسی ناممکن ہے جب کہ آج 26 مئی ہے لیکن اب وسیم کو ضد ہوگئی اور پھر وہ خود ٹورسٹ افسر سے جاکر ملے ٹورسٹ افسر کا نام تھا نجم الدین میں بغیر اجازت کمرے میں داخل ہو گیا اور حالات بیان کئے اور بہت رنجیدہ لہجے میں نجم صاحب سے کہنے لگا پتہ نہیں کیوں مجھے واپسی کی وحشت ہو رہی ہے بریلی بہت یاد آرہا ہے جب کہ یہاں ماحول بہت اچھا ہے دوست احباب بھی پر خلوص ہیں نجم الدین صاحب نے میری تمام باتیں غور سے سنیں اس گذارش پر 27 کی بس سے میری سیٹ بک کردی وسیم جہاں ٹھہرے تھے ٹورسٹ سنٹر وہاں سے کافی فاصلے پر تھا لہٰذا وسیم صاحب 26 مئی کو آکر ٹورسٹ خیمہ میں براجمان ہو گئے اور 27 مئی کی صبح پانچ بجے کی بس سے کشمیر کو خیرباد کہہ کر چلے آئے سبھوں کا خیال تھا وسیم کو خدا حافظ کہہ کر روانہ کریں گے مگر سوال یہ تھا ٹورسٹ خیمہ میں رات گذارنے کا جو ٹورسٹ افسر کے بغیر اجازت ناممکن تھا 27 مئی کو روانہ ہو کر 28 مئی کو وسیم بریلی پہونچ گئے وسیم کی والدہ اور والد وسیم کی خیریت جاننے کے لیے بے قرار تھے اور ٹیلی گرام بھیج چکے تھے (اس کا تفصیلی ذکر بہت دنوں پہلے غالباً 1996 میں وسیم صاحب نے اپنے گھر بریلی میں مجھ سے کیا تھا)

یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ میرے والد جناب نسیم صاحب مرادآبادی بہت بڑے زمیندار تھے مرادآباد سے لے کر لال کنواں تک میری زمین پہ ریل گاڑی چلتی تھی مگر خدا جانے کیسے ایک وکیل نے میرے والد سے ان کی پوری زمینداری اپنے نام کرالی پھر ہم لوگ مرادآباد کی اپنی بلند بالا حویلی چھوڑ کر رام پور آ کر اک کرائے کے مکان میں محلہ کٹ کویاں میں رہنے لگے وسیم کے بیان کے مطابق جب وہ رام پور میں تھے تب ان کے ابا نسیم صاحب مرادآبادی، جگر صاحب مرادآبادی

کی رام پور آمد پر جگر صاحب کو اپنے گھر بلا لائے جگر صاحب اور نسیم صاحب کی پرانی ملاقات تھی دونوں بچپنے کے دوست تھے وسیم صاحب ان دنوں رام پور میں آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے اور وسیم کا گھریلو نام زاہد حسن تھا وسیم کے ابا نے جگر صاحب سے کہا یہ میرا بیٹا زاہد ہے اور شاعری بھی کرتا ہے یہ سن کر جگر صاحب نے وسیم کے سر پر دست شفقت رکھا۔ یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی پھر اس کے بعد میری ملاقات جگر صاحب سے کبھی نہیں ہوئی۔

وسیم کا کہنا ہے بریلی میری جنم بھومی ہے بڑی نری ہستیوں کا وطن بریلی تاریخ کے بے شمار گرم و سرد خوابوں کا شہر سنی تاریخ کے امام وقت کا گہوارہ، علمی روحانی اور تاریخی بصیرتوں کی جلوہ گاہ آزادی کے بعد کی ہندوستان کی ترقیوں کا ہمسیر روایتوں کے ساتھ نئی ہستیوں کا آئینہ دار جہاں ایک طرف روایت اور قدامت کی معصومیوں کا فیضان دیکھنے کو ملتا ہے تو وہیں ایک بڑے شہر کی ہماہمی کی بھی کمی نظر نہیں آتی، روہیل کھنڈ کمشنری جو سات نسلوں پر مشتمل تھی اس کا صدر قمام اور روہیل کھنڈ کمشنری میں آنے والے بریلی کے علاوہ بجنور، مراد آباد، رام پور، بدایوں، پیلی بھیت اور شاہ جہانپور جیسے شہر یہ وہ سات اضلاع ہیں جن میں پیدا ہوئے اور پرورش پائے ذہنوں نے دنیائے علم و ادب میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں انہیں نہ تاریخ علم بھلا سکتی ہے نہ تاریخ ادب، نہ تاریخ سیاست بھلا سکتی ہے نہ تاریخ تمدن بھلا سکتی ہے نہ تاریخ فکر نہ تاریخ تصوف بھلا سکتی ہے۔ نہ تاریخ تفکر، تاریخ ہند گواہ ہے کہ انگریزوں کی سیاسی ریشہ دوانیاں اگر کہیں پسینہ پسینہ ہوئیں تو وہ روہلہ سرداروں کے عزم و ہمت و عمل کے سامنے اگر تاریخ سیاست نے دھوکا نہ کھایا ہوتا تو انگریزوں کو دلی کے تخت تک پہونچنے میں زمانے لگ جاتے حقیقت یہ ہے کہ روہیل کھنڈ نے ہر عہد میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا اور ہندوستان کا سودا اپنی نفس پرستی کے لیے ہر گز نہیں کیا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں روہیل کھنڈ سردار حافظ رحمت خاں کی حوصلہ مندی شکست سے لے کر 1857 تک کے واقعات تاریخ کے اس دعوے کی دلیل کے لیے کافی ہیں۔ بریلی میں چند زمیندار خاندان کا بڑا نام تھا آزادی کے بعد زمینداری نظام کا خاتمہ اور اسی خاتمہ کے نتیجے میں دو طرح کے رد عمل ظہور پذیر ہوئے جن زمیندار خاندانوں میں تعلیم رہی انھوں نے زندگی کے نئے تقاضوں سے

جڑنے کے لیے راستے ڈھونڈھے جہاں تعلیم سے بے اعتنائی برتی گئی وہ زمیندار خاندان گھرانے منظر عام سے یکے بعد دیگرے غائب ہوتے چلے گئے۔

بریلی شہر کی تاریخ مرتب کرنے والے شاعر وسیم صاحب بریلوی ہیں وسیم صاحب نے روہلہ سردار حافظ رحمت خاں کا سلسلہ وار جیسی تاریخ اور سن کے ساتھ تحریر کی ہے یہ کام کسی مشاعرہ مار شاعر کا نہیں ہوتا کہ وہ شعر بھی کہے اور شعر کا مطلب بھی سمجھائے اور شعر کہنے کا پس منظر کیا ہے عملی تاریخ اور سن سے بھی قاری کو آگاہ کرے یہ کام نہ میرؔ نے کیا نہ اقبالؔ نے کیا نہ غالبؔ نے کیا نہ مومنؔ نے کیا حتی کہ اصغرؔ جگرؔ اور مجروحؔ نے بھی نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ اس راہ سے سارے بزرگوں نے کنارا کشی کیوں اختیار کی لیکن وسیم بریلوی اس چکر میں کہاں پڑ گئے حالانکہ سر ڈاکٹر محمد اقبال نے اس طرح کے کام کئے ہیں مگر ان کی شکل تحریری طور پر نثری ہو اور ثانوی مگر اولیت شاعری کو دی ہے ویسے ہر مصنف شاعر تو ضرور ہوتا ہے مگر اس کی شاعری کا تعلق زیادہ تر دماغ اور ذہن کی رسائی سے ہوتا ہے اس کا دل سے معاملہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔

وسیم بریلوی کا بچپن پریشانی میں گذرا بقول وسیم میری والدہ صاحبہ نے اپنے بچوں کو اچھی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وسیم صاحب بچپن میں بھی سوچتے تھے میں عید میں اس لیے اچھے کپڑے پہن کر رنجیدہ ہوتا تھا کہ میرے محلہ کے غریبوں کے بچے مجھ جیسا کپڑا نہیں پہنتے ہیں جب کہ ہمارے ابا سے مراد آباد کے ایک وکیل نے ان کی ساری زمینیں اپنے نام کرالی تھیں زندگی میں خوشیاں کم غربت زیادہ تھی وسیم کے دل ودماغ پر آج بھی اس حادثہ کا اثر ہے بڑے ہو کر معاش روزگار سے جڑے تو اسکول میں پڑھانے لگے اور زندگی میں وزن پیدا کرنے کے لیے فکریات کے بھنور میں پھنسے رہتے تھے اور اپنی اس فکر کو شاعری کے پیمانے میں ڈھالتے رہتے تھے لہٰذا وسیم کی شعریاتی فکر انگیزی میں اقبالیات کی سی شاعری کا رنگ خود بخود پیدا ہونے لگا میں نے وسیم کی شاعرانہ زندگی پر بڑی محنت ومشقت سے تحقیق کی ہے اور اس طرح سیکڑوں شعروں کا اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق انتخاب کیا ہے جیسے کہ ان کی سوچ ''بغیر سمتوں کی راہیں جہاں نکلتی ہیں'' یا اس کے علاوہ مزید تہہ دار شعریاتی تبصرے جو وسیم کی آج پہچان بنے ہیں اور جب تک وسیم کی اپنی سوچ قائم رہے گی وسیم کی ''وسیمانہ'' شاعری کے جام چھلکتے رہیں گے اور

بامقصد شعروں کی تخلیق سے وسیم صاحب کا دامن بھرا رہے گا یہاں مجھے بیدم وارثی یاد آئے۔

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دے دے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے

یا اس کے علاوہ بھی وسیم صاحب کی شاعری کی انفرادیت جگ ظاہر ہے اور اگر وسیم کی شاعری میں وزن نہ ہوتا یا تازگی نہ ہوتی تو دنیا بھر کے لوگ اتنے بھی ناسمجھ نہیں ہیں خواہ مخواہ کے لیے وسیم کو اپنے سرآنکھوں پر بٹھائے۔ سب سے بڑی مثال تو یہی ہے کہ وسیم نہ ڈاکٹر ہیں نہ phd مگر روہیل کھنڈ یونیورسٹی RDC کے دس سال تک کنوینرز رہے اور ان کے کارہائے نمایاں میں اردو کے دس طالب علموں نے اردو سے phd کی ڈگریاں حاصل کیں وسیم صاحب میں جہاں بہت سی خصوصیات موجود ہیں وہاں ان کی مقصدی شاعری کو ہندوپاک سے لے کر دنیا کے جن ممالک میں اردو کے طالب علم ہیں سبھی وسیم اور وسیم کی شاعری کے دیوانے ہیں وسیم انگلینڈ ہو کہ کناڈا یا واشنگٹن جب تک چاہیں رہیں سیر وتفریح کریں چلتے وقت نذر و نذرانہ لیں ہوائی جہاز پکڑیں اور لدے پھندے اپنے گھر چلے آئیں وسیم پیچھے چلتے ہیں نام وری عزت دولت ان کے آگے چلتی ہے یوں بھی ہندو پاک میں بڑے شاعروں میں وسیم کا شمار ہوتا ہے یوں تو باہر کی اردو دنیا میں درجن بھر سے زیادہ شاعر جانے پہچانے جاتے ہیں مگر وسیم کی غزل گوئی کی وجہ سے وسیم کا مقام مجروح اور جگر کے بعد بڑا اہم ہو گیا ہے ملک ہند میں انہیں کئی سرکاری محکموں کی خدمت کرنے کا موقعہ ملا وسیم کی شاعری میں بقول دلاور فگار:

اب غزل آئینہ بھی ہو آئینہ خانہ بھی ہو
اور غزل گوئی کی صورت اک وسیمانہ بھی ہو
وہ پروفیسر بھی ہیں شاعر بھی یعنی ان کا کام
شعر پڑھنا ہی نہیں اشعار پڑھوانا بھی ہے

وسیم بریلوی کا احساس بچپن سے بہت نازک اور نفیس رہا وہ حد سے تجاوز کرنے کے ہمیشہ خلاف رہے ایک شاعر صاحب کی حد سے تجاوز کرنے کی بات جب سامنے آئی تب وسیم سے رہا نہ گیا۔

...ان کے ساتھ پاکستان کے علاوہ دیگر ملکوں کے مشاعرے میں شرکت کرنے کا اتفاق یا موقع ملا امریکہ میں تو تین ماہ ٹھہرے شمالی امریکہ کے کئی اہم مشاعروں میں ان کا ساتھ رہا۔ منظر یہ ہے کہ ہم لوگ شہر میں ساتھ ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں اہل خانہ جیسے کہ ہوتا ہے اپنی ذاتی مصروفیات کے پیش نظر اور گھر کا جملہ سامان ہم شعرا کی ذمہ داری پر چھوڑ کر جا چکے ہیں ہم ہی میں سے ایک شاعر دوست کی چشم التفات ٹیلی فون کی طرف ہوتی ہے مقامی وغیر مقامی کالوں کا ایسالا متناہی سلسلہ کہ ٹیلی فون بھی کہہ اٹھے۔ ع

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

موصوف فون پر فون کئے جاتے تھے گر افراد کی عدم موجودگی میں فون کے اس تصرف بیجا کا تمام کرب پیرزادہ کے چہرے پر ایک رنگ آتے ایک رنگ جاتے کی شکل میں کچھ اس طرح ابھرتا ہے کہ جیسے ان سب کے لیے وہ خود بھی ذمہ دار ہیں۔ ایسے ہم نفسوں کی مجرمانہ زیادتی کے لیے خود وہ بھی گنہگار ہیں میرے خیال میں ان کے فکر کے رویہ کی پہچان ہے۔

روح کا کیسا ہی زیاں ہو مگر
نفس کو ایک لقمۂ تر چاہیے

جا اور بیجا صدق وریا اور جائز اور ناجائز کے بیچ تناؤ زدہ فاصلوں کی زد پہ رہنا ہی ہماری یا پیرزادہ جیسے لوگوں کی کمزوری ہے اور یہی اپنی طاقت بھی ہے۔ اعتبار درد کا یوں طرح طرح کے لفظوں میں ڈھلنا اور اپنی راہ خود بنالینا کوئی آسان نہیں ہم لوگ نہ پیرزادہ بےضمیر دعووں کے شاعر ہیں نہ بڑا بننے بے زمین حکمت عملی کے۔ ہم لوگ تو پوری ایمانداری سے بے ایمانوں کے خلاف صف آرا ہیں۔

حضرت وسیم بریلوی اپنے احباب کے ساتھ تقریباً تین ماہ تک امریکہ کے جملہ شہروں میں شریک مشاعرہ اور امریکن احباب کے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرے عموماً میزبان اپنی مصروفیات کے سبب مہمانوں کی ذمہ داری پر گھر سے باہر گیا ہے اس کی عدم موجودگی میں ایک ابن الوقت شاعر نے میزبان کے فون کا جس بیدردی سے استعمال شروع کیا ملکی اور غیر ملکی کالیں ہونے لگیں اس بیجا استعمال کا جو درد اور قلق وسیم بریلوی اور ان کے ہم سفر جناب پیرزادہ قاسم پر گذرا اس ذمہ

داری کے احساس نے وسیم بریلوی کے مزاج میں جو قیامت برپا کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ وسیم کو ایک دوست کے گھر بطور مہمان ٹھہرنے کی ذمہ داریوں کا کتنا لحاظ و پاس ہے نیز اس واقعہ سے ان کے پاک طینت کردار کا آئینہ بھی پیش نظر ہے اور مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر تردد نہیں کہ وسیم صاحب احسان فراموش نہیں وہ اپنے میزبان کی مہمان نوازی کے دل سے شکر گزار ہیں اور اسی مہمان نوازی سے متاثر ہو کر ایک دوسرے مہمان کے بیجا فون استعمال کرنے کا ذکر کیا اور بڑے کھلے لفظوں میں اس بیجا فون کے استعمال کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کا بھی اعلان کیا ہم ایسے بے ایمانوں کے مقابل صف آرا ہیں۔

یہ سب تو بالکل درست ہے مگر وسیم صاحب کو اس تحریر کے بجائے اس ناروا بات کے لیے اس شخص کو ٹوک دینا چاہیے غلط کام کو برداشت کرنا منافقت کی دلیل ہے۔

پوچھنا ہو تو غزل والوں سے پوچھو جاکر
کیسے ہر بات سلیقے سے کہی جاتی ہے

اردو اکادمی لکھنو میں میں نے یہ مسودہ غالباً 2006ء میں داخل کیا مگر اکادمی نے یہ اعتراض کیا کہ تحریر شدہ مسودہ میں آراء نہیں ہیں یعنی کہ حوالے جات علاوہ اس کے وسیم صاحب کے بارے میں مقدمہ کا ہونا مسودہ شاعر کی شاعرانہ زندگی پر قطعہ بند کہا مقدمہ نہیں لکھا لیکن درمیان میں اردو اکادمی کے سکریٹری صاحب نے یہ کہہ کر مسودہ مجھ سے لے لیا کہ میں چھپوا دونگا مگر ایک سال سے اوپر مسودہ اپنے پاس دھرے رہے بعد ازاں بتاریخ مجھے اکادمی سے فون ملا آپ آکر اکادمی سے اپنا مسودہ لے جائیے اسی کے ہمراہ یہ آرڈر بھی ملا کہ مسودہ میں مقدمہ نہیں ہے مقدمہ لکھ کر شامل کریں تب اس پر غور ہوگا میرے خیال سے یہ بہت بہتر ہوا کہ مجھے مزید لکھنے کا موقع مل گیا میں اردو اکادمی کا دل سے شکر گذار ہوں۔

مین وسیم صاحب سے بہت قریب رہا ہوں اتنا قریب کہ میں ان کے دل کی دھڑکن سنتا تھا اور یہ میرے دل کی دھڑکن سنتے تھے۔ میرے جی میں جب آیا میں بریلی ان کے گھر پہونچ گیا اور وہ جب اس طرف مشاعروں میں شرکت کی غرض سے آئے تو بغیر مجھ سے ملے نہیں گئے میل محبت کا یہ سلسلہ تو اس زمانے کا ہے جب یہ کنور سورج نارائن ادب سیتا پوری کے مشاعرے میں

سیتا پور سال بہ سال آتے تھے یہ بات میں لکھ بھی چکا ہوں ان کی شاعری اور شعر پڑھنے کی ادا تمام ہندوستانی شاعروں سے الگ تھلگ ہے نیز ترنم بھی سب سے جدا جوانی والا تروتازہ شگفتہ حسن انداز گفتگو میں لوچ اور اپنائیت کی گرمی مجھے ہمیشہ اچھی لگی میری غزل کا مطلع ہے۔

دل ادھر دھڑکا ادھر ان کو خبر ہونے لگی
پردہ در پردہ محبت کارگر ہونے لگی

عین اسی کے مطابق ہماری محبتوں کی ریل گاڑی پردہ بہ پردہ چلتی رہی اپنے بارے میں بتادوں مقبول میاں خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے حضرت واصف نانیاروی رحمۃ اللہ علیہ دروشی وصوفی غش تصوف کے عظیم شاعر میرے استاد تھے جن کی شاعرانہ عظمتوں کا بہت طویل و جامع تبصرہ مرحوم مغفور پروفیسر ولی الحق انصاری لکھنوی نے 1970 میں کیا ہے جو ساٹھ صفحہ کا کتابچہ کی صورت میں موجود ہے علم مجلس مجھے حضرت جگر مرادآبادی کی محفل میں حاصل ہوا اور جھلاہٹ کی بیماری مجھے حضرت مجروح سلطانپوری سے ملی ہے۔ اچھی اور قابل اعتبار شاعر کی پہچان تھوڑی بہت جو میرے یہاں ہے انہیں بزرگوں کا فیضان ہے مجھے شعر تخلیق کرنے میں جو روحانی لطف حاصل ہوتا ہے وہی مزہ مجھے کسی اچھے غزل گو شاعر کی بات کرنے میں آتا ہے اور جب میں وسیم بریلوی سے ملا تو یہ مجھے عام طرح کے شاعروں سے مختلف لگے وسیم صاحب کی غزلوں میں زیادہ تر مقصدیت اور رنگ تصوف ہے ہر بڑی شاعری میں تصوف کسی نہ کسی اعتبار سے شامل رہتا ہے ورنہ شعر کو مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا نیز بے تصوف کی شاعری یوں ہوتی ہے جیسے بے نمک کی دال میں تو یہی کہوں گا ہم دونوں ایک ہی راستہ کے راہی ہیں ہم نفس ہونے کے سبب میں نے وسیم صاحب سے بغیر پوچھے وسیم کی شاعری کے بارے میں ایک بہت جامع اور بلیغ مضمون ترتیب دے کر جنوری 2001 کے ''امکان'' لکھنو میں چھپوا دیا اس کی اشاعت دیکھ کر وسیم صاحب مجھ سے بہت خوش ہو گئے۔

اک نظم گلستاں ہے جو آج بھی مہکا ہو
یا محوِ غزل ہو کر بلبل کوئی چہکا ہو

وسیم صاحب جیسی خوبصورت غزل مترنم بامعنی غزل کہہ لیتے ہیں یہ سب کے بس کی بات

نہیں اور جیسے کہتے ہیں ویسے ہی بڑے کرب آمیز آواز میں پڑھتے ہیں : مثلاً

لوگ کہتے ہیں درد کی غزلیں
درد میں ڈوب کر نہیں کہتے

(سنت بھر مربہرائچی)

نیز وسیم اپنے طور پر جیسا سوچتے ہیں ویسے ہی اپنی فکر کے پیمانے میں شعر تخلیق کرتے ہیں بلا تکلف بلا بناوٹ بلا تصنع اسی سبب ان کی غزلوں میں پاکیزگی سنجیدگی اور خلوص بہت ہے اور رشتوں کے ان کی غزلوں میں اشارے اور کنائے بہت ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپس داری دوستی جان پہچان کے معاملات سے وسیم انجان نہیں ہیں۔ بہت سے پروفیسر میرے جاننے والے ہیں انہیں برابر والوں کی تلاش بہت رہتی ہے جب کہ وسیم کا اپنا دستر خوان ہے وہ کسی رئیس زادے کے دستر خوان کے ذرات چننے کے قائل نہیں بقول شاعر ؎

خود کہتا ہوں خود سنتا ہوں وہ مست غزل ہوں
خود جھومتی ہے میری تمنا مرے آگے

وسیم اور بیکل تمام شاعروں میں بہت خوبصورت اور ہنڈسم قلم کار ہیں یوں تو بیکل صاحب کے یہاں معاشقوں کی کمی نہیں مگر بڑے بڑے شاعروں میں اک وسیم ہی ایسے شاعر ہیں جن کی کوئی محبوبہ نہیں معاشقوں کے معاملات میں وسیم بریلوی پکے دیوبندی ہیں ان کی والدہ ان کے پنڈے پڑی تھیں میرے بھیا اب شادی کر لے، وسیم بولے ابھی شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو بریلی میں پوسٹ انکم ٹیکس افسر ڈی۔ این آریا نے تڑ سے سوال کیا پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ آریا صاحب کے اس سوال پر وسیم کے ابا اور ان کی والدہ دیگر اہل خانہ قہقہہ زار ہو گئے اور وسیم بریلوی شادی کے لیے راضی ہو گئے وسیم کی والدہ نے وسیم سے کہا لڑکی کی فوٹو میرٹھ سے منگوا دوں لڑکی دیکھ لو وسیم بولے آپ کو لڑکی پسند ہے میرے لیے یہی بہت ہے اور پھر ڈی۔ این آریا وسیم صاحب کی بارات لے کر میرٹھ پہونچ گئے آریا صاحب اور وسیم بریلوی کی ان دنوں دانت کاٹی دوستی تھی۔ ڈی۔ این آریا کمشنر وسیم صاحب کے والد کو ابا کہتے تھے اور ان کی والدہ کو اماں کہتے تھے لیکن افسوس صد افسوس شیدائے اردو کمشنر ڈی۔ این آریا اب اس دار فانی سے کوچ کر کے

دوسری دنیا میں پہونچ گئے۔

کراچی کے قائد اعظم ورلڈ مشاعرے میں اک اخباری رپورٹر صاحبہ نے وسیم بریلوی سے کہا اجازت ہو تو آپ سے اک بات پوچھیں وسیم صاحب بولے ایک کیا آپ دس باتیں مجھ سے پوچھ سکتی ہیں محترمہ نے اپنی زلفوں کی لے سنوارتے ہوئے ہونٹوں پر حسین مسکان بکھیرتے ہوئے فرمایا سالوں سے یعنی مدتوں سے مشاعروں میں T.V پر آپ کو دیکھ رہی ہوں سن رہی ہوں آپ کی شکل وشباہت آپ کے ڈیل ڈول آپ کی تندرستی میں کوئی تبدیلی کے آثار نمایاں نہیں ہو رہے ہیں جیسی صورت شکل کل آپ کی تھی اسی ڈیل ڈول کے اسی شان عارفانہ میں آج بھی آپ دکھائی دے رہے ہیں وسیم یہ سوال سن کر ہنس پڑے اور رپورٹر صاحبہ سے بولے آپ نے بڑا بے ڈھپ سوال کر کے مجھے اچنبھے میں ڈال دیا ہے امید نہیں تھی کبھی مجھ سے کوئی ایسا بھی سوال کر سکتا ہے تو محترمہ یوں جانئے قدرت چرند پرند حیوانات اور انسانوں کو معصوم صفت بنا کر دنیا کو سونپتی ہے یہاں ذات برادری کی کوئی بحث نہیں وہ غریب کا بچہ ہو کہ شہنشاہ کی اولاد قدرت نے ہمیں جس معصوم شکل میں تخلیق کر کے بھیجا ہے قدرت کی اس امانت کو اسی معصوم انداز میں واپس بھی کرنا ہے کیونکہ اپنی جملہ بد کرداری کا مرتکب ہوا تو جو معصومیت ملی ہے اسے نقصان پہونچے گا اور امانت میں خیانت ہوگی تو خلاف قدرت ہوگی اور بروز حساب کتاب ہم اپنے پیدا کرنے والے کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے کیونکہ اس بے ثبات دنیا میں ہمارا لائف ریوائنٹ منٹ کروڑوں برس کی دنیا میں چند لمحوں کے برابر کا ہے زندگی گذارنے کے خاطر جائز ناجائز فرق کو بھلا کر اپنی معصومیت کو نذر غارت گراماں بنانا کوئی دانشمندی کی بات نہیں میری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے امانت میں خیانت نہ ہونے پائے شاید یہی وجہ ہو کہ میری شکل وشباہت میں تبدیلی کے آثار بہت تھوڑے ہیں اور ذہنی طور پر میں بہت اطمینان بخش انسان ہوں بے اطمینانی کا مرض تب لاحق ہوتا ہے جب حق پرستی کے نظام میں خیانت پیدا کی جائے۔

وسیم کا یہ دانشمندانہ ایمان افروز جواب سن کر پریس رپورٹر محترمہ کے ہوش اڑ گئے اور رندھی ہوئی آواز میں فرمانے لگیں یہ تو میرے لیے ہمیشہ کی نصیحت ہوگئی۔

جنگ اخبار کراچی میں وسیم کی یہ رپورٹ پڑھ کر میں کیا مجھ جیسے بہت سے قاری دنگ رہ

گئے 2004 کا یہ اخبار آج بھی میرے پاس محفوظ ہے جس کے کچھ حصے ڈان اخبار میں بھی دیکھے گئے۔

وسیم کے اس پیغمبرانہ بیان کا ثبوت مجھے اس واقعہ سے فراہم ہو گیا واقعہ یہ ہے کہ میرے ضلع کے ایک (ایم پی) برج بھوشن ہیں جو بلا شک وشبہہ بہت اچھے گیت کار بھی ہیں وہ جیسے گیت کہتے ہیں اس سے ہزار گنا اچھا پڑھتے ہیں گیت گانے کے مقابلہ میں میرے خیال کے مطابق وہ مرحوم ڈاکٹر شاعر اعظمی سے بھی اچھے ہیں بڑی سریلی اور موہنی پر خلوص آواز ہے لہجہ سے برج بھوشن کو میں جانتا تو تھا مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ برج بھوشن ہندی کے اتنے اچھے گیت کار بھی ہیں اک بار برج بھوشن صاحب شہر کے دو اک نئے کولی اور بگڑے شاعروں کے ہتھے چڑھ گئے جس میں گونڈہ کے دو ایک نیتا نوجوان بھی شامل تھے ان سب نے مل جل کر (ایم پی) صاحب کے مشاعرہ کی محفل سجانے کی درخواست کی وہ مان گئے ایم پی کے علاوہ برج بھوشن کے پاس گاؤں گراؤں سیکڑیوں بیگھہ کھیت کئی عظیم الشان بلڈنگوں والے کالج غرضکہ بہت پیسے والے ہیں گونڈہ میں امریکن ٹائپ کا گونارڈ ہوٹل برج بھوشن کا ہے ایک بار فیاض فاروقی (IPS) افسر لدھیانہ اسی ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ فیاض فاروقی دور جدید کے بڑے شاعر ہیں۔ برج بھوشن نے دعوت سخن دی وسیم بریلوی، معراج فیض آبادی، راحت اندوری، ساغر خیامی، انا دہلوی، نواز دہلوی منور رانا، بیکل اتساہی، کانپوری اور مقامی شاعر و دیگر غیر مقامی شاعر۔ اس مشاعرے کی داغ بیل پڑتے ہی شہر بھر میں جیسے زلزلہ آ گیا گلی گلی سڑک سڑک پوسٹر چسپاں ہو گئے لوگ دوڑ دوڑ کر برج بھوشن سے مل رہے ہیں مجھے بھی احباب نے مشورہ دیا کہ جا کر کم از کم پنڈت سے مل تو لو میں نے کہا وہ مجھے جانتے ہی نہیں ورنہ پوسٹر میں میرا بھی نام ہوتا مشاعرہ والے دن دوپہر میں وسیم میرے گھر آ گئے شام کو بینک منیجر میرا بھتیجہ وسیم میاں وسیم بریلوی سے ملنے میرے گھر آیا اور بولا چچا شام کا کھانا آپ اور وسیم صاحب کا میرے گھر ہوگا بعد مغرب ہم دونوں وسیم کی گاڑی سے وسیم کے گھر چلے گئے بعد تناول وسیم میاں نے کہا وسیم صاحب آپ کو اس شہر کے ایک بزرگ سے ملا دوں ہم کار پر بیٹھے اور الحاج مفتی نعمت اللہ صاحب کے در دولت پر پہنچ گئے مفتی صاحب نے وسیم صاحب کا خیر مقدم پر خلوص ہو کر کیا مفتی صاحب اور وسیم بریلوی کے مابین کچھ دنیاوی کچھ دینی باتیں چھڑ گئیں وسیم صاحب امریکہ لندن کنیڈا اور دیگر ممالک میں ہونے

والے مشاعروں کا پس منظر بیان کرنے لگے اور بتایا اہل زبان اور مسلمان جوان ممالک میں ہندو پاک سے جا کر آباد ہوئے ہیں انہیں اپنے ماضی کی بڑی فکر ہے یہ لوگ دین اسلام سے اور اردو زبان سے جڑے رہنے میں اپنی فلاح و ترقی سمجھتے ہیں اور دین محمدیؐ سے غافل نہیں ہیں ان کے اپنے ذاتی مدرسے ہیں اسکول ہیں یہ لوگ سال بہ سال مشاعرہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ شاعروں سے ملتے رہیں جہاں مشاعرہ ہوتا ہے مثلاً نیوجرسی۔ واشنگٹن تو یہ لوگ معہ اپنے بال بچوں پانچ پانچ سو کلومیٹر کا سفر طے کر کے آتے ہیں اور محفل مشاعرہ میں شرکت کرتے ہیں بات ہی بات میں ساڑھے دس یا پونے گیارہ کا ٹائم ہو گیا مولانا مفتی وسیم صاحب کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے کہ ہانپتے کانپتے شمیم میاں کمرے میں نازل ہو گئے اور وسیم صاحب سے بولے مشاعرے میں آپ کی صدارت کا اعلان ہو گیا ہزارہا پبلک آپ کی منتظر ہے یہ بھی شور مچ رہا ہے قمر گونڈوی نے وسیم صاحب کو بہکا دیا ہے مشاعرے میں بڑی ہڑبونگ مچی ہے یہ سب سن کر وسیم صاحب نے جیسے کہ سنا ہی نہیں اور پھر مفتی نعمت اللہ صاحب سے باتیں کرنے لگے مفتی صاحب دو چار منٹ سننے کے بعد بولے وسیم صاحب اب آپ مشاعرے میں جائیں اللہ نے ملایا تو پھر ملیں گے اور پھر اسی طرح باتیں ہونگی وسیم نے بڑی بے دلی سے کہا مشاعرے تو ہوتے ہی رہتے ہیں مگر آپ جیسے لوگ کہاں ملتے ہیں میرا جی نہیں چاہتا مشاعرے میں جانے کا مفتی نعمت اللہ صاحب نے جواب میں فرمایا اگر آپ نہ گئے تو قمر صاحب کے سر بڑی بدنامی آجائے گی یہ سن کر وسیم کچھ ڈھیلے پڑے مگر پھر بولے قمر صاحب کا مشاعرے میں نام ہی نہیں ہے ان پر بدنامی کا کیا سوال میں نے وسیم کے بازو محبت سے تھامے اور وسیم میاں سے کہا گاڑی اسٹارٹ کرو درمیان میں وسیم صاحب بولے وسیم میاں گونارڈ ہوٹل چلو پان کھانے کا موڈ ہے میں نے جھلا کے کہا آپ ڈائز پر چلیں پان میں لے آؤں گا وسیم صاحب مشاعرے میں جب اسٹیج پر پہونچے تو ہزارہا سامعین نے کھڑے ہو کر وسیم بریلوی کا استقبال کیا میں چھپ لک کے ڈائز کے بغل پڑی اک کرسی پر بیٹھ گیا جلال فرغ کانپوری مشاعرے کی نظامت سنبھالے تھے لگ بھگ فرخ نے سات آٹھ منٹ تک وسیم صاحب کی مدح سرائی میں بتا دیئے عجیب اتفاق کی بات ہے مشاعرے میں مزید کیفیت پیدا کرنے کے لیے فرخ نے میری غزل کا مطلع پڑھ کر رانا دہلوی کو مائک پر بلایا شعر ع

کل دن بھر کس نے مجھے مہکایا تھا
اب یاد آیا تم سے ہاتھ ملایا تھا

اس شعر نے اناد ہلوی کے لیے ماحول سازگار کر دیا اور وسیم کی آنکھیں اسٹیج پر مجھے تلاش کر رہی تھیں مرحوم مغفور عمر انصاری لکھنوی کہا کرتے تھے اچھے اشعار بغیر ہاتھ پاؤں کے چلا کرتے ہیں سو میں نے یہ تماشہ اپنی زندگی میں اپنے ہی شہر میں آنکھوں سے دیکھ لیا اور ہوا یہ کہ جتنے مقامی شاعر تھے بری طرح ہوٹ ہو گئے یہ تاریخی قصہ بیان کرنے میں اپنا اک مطلع یاد آیا سنئے اور نوٹ کر لیجیے:

کیوں تو فکر عزت و ذلت میں ہے
سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے

عرض کروں کہ وسیم بریلوی کے کلام میں آگہی اور شعور کی تہوں کا جائزہ وسیم ہر خاص و عام معاملے پر گہرائی سے تجربہ کرتے ہیں جیسے کہ

میں چل رہا ہوں کہ چلنا ہی میری عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جاتا ہے

اور اپنا شعور و آگہی اور کیفیات کا ایسا حسین گلدستہ ہے یہ اکثر خدوخال سے بلند ہو کر کائنات کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونا ہے وسیم کی شاعری احساس حیات کی آئینہ دار ہے یہاں دور کے عکس نزدیک تر کی یاد دلاتے ہیں وسیم بریلوی کی شاعری احساس حیات کی بلند شاعری ہے اور اپنے مستقبل کے وجود کی یاد دلاتی ہے مثلاً:

وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا
ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے

وسیم کے دعوے کا یہ شعر ان کی پہچان سے وسیم کی وارفتگی اور ان کا البیلا پن نیز عرفان غم میں ڈوب کر وسیم لفظوں کو برتتے ہیں اس لیے وسیم کی شاعری میں شان تغزل بہت ہے وہ روایت سے منحرف ہیں نہ منکر ذاتی تجربات جب روایت کی شاعری میں ناکافی پاتے ہیں تو گیتوں میں اپنے من کی بھڑاس نکال لیتے ہیں اور مناسب الفاظ کی وارفتگی سونے پر سہاگہ جڑ دیتی ہے۔

جو تجھ میں مجھ میں چلا آ رہا ہے صدیوں سے
کہیں حیات اسی فاصلے کا نام نہ ہو

غزل کے کیف و رمز کو وسیم اس انداز میں ڈھالتے ہیں کہ ان کی ہر علامت تراشے ہوئے ہیرے کا کام کرتی ہے سورج کی روشنی میں ترشے ہوئے ہیرے کو گھماتے رہیئے ہیرا اپنا رنگ بدلتا رہے گا (بقول ڈاکٹر اختر بستوی مرحوم) وسیم کے شعروں میں یہ خوبی ہو کہ ادھر انہوں نے شعر پڑھا اور ادھر کھرے سکہ کی طرح ٹن سے بولا اور سامع کے دل و دماغ میں اثر انداز ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وسیم کے یہاں ایسے شعروں کی کمی نہیں جو سامع کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ یوں بھی وسیم کی شاعری میں انسانی زندگی کے مسائل ہیں ان کی غزلوں میں آسمانی مخلوق نہیں بلکہ زمینی زندگی کے معاملات ہیں یوں بھی اس دور کے ہندوستان میں مردہ پرستی کا رواج بڑھ گیا ہے کوئی کھرا اور ایماندار کھلے لفظوں اور بے باک قلم کار ہے تو اس کے نہ ہونے کے بعد اس کی قدر و منزلت کا بیان و ذکر اس طرح ہوتا ہے ڈاک ٹکٹ یا کوئی عمارت بنوا کر یا اس کے نام کی سڑک لہٰذا ان ناموزوں کارنمایاں سے گھبرا کر وسیم کہتے ہیں:

مرے بچوں کے آنسو پوچھ دینا
لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا

اچھی اور اعلیٰ شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے ماحول کے ارد گرد اپنے شعر کے وسیلے سے بات کرتی ہے وسیم بریلوی کے اس شعر سے پوری اردو یا ہندی شاعری کا عکس نظر آتا ہے شاعری کی آسان سلیس زبان وسیم کو عوام سے قریب کرتی ہے اس لیے وہ عوام میں پوری طرح جانے اور پہچانے جاتے ہیں غیر ممالک والے اردو داں اردو سے پیار کرتے ہیں اور وسیم بریلوی کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور انہیں اپنا مہمان بنا کر فخر محسوس کرتے ہیں وسیم اپنی شعر و شاعری میں اسی زباں میں گیت اور مکھڑے تخلیق کرتے ہیں جو زبان دیہات میں بولی اور سمجھی جاتی ہے مثلاً گیت کا یہ مکھڑا دیکھیں۔

عورت کا سمان سے بڑھ کر عورت کی مجبوری
مرد کو پورا کرنے میں عورت ہوئی ادھوری

جنم جنم اس کی ہو جائے جس کو تھما دے ہاتھ
بھلا میں مانو کس کی بات
چوراہوں کی بھیڑ میں کھوئی چہروں کی پہچان
شوق سے اب انسان کے روپ آجاتے بھگوان
کچھ ہوتا ہے کچھ لگتا ہے کچھ دکھتا ہے ہاتھ
بھلا میں مانو کس کی بات

وسیم صاحب گیت گانے میں بھی بڑے مشاق ہیں آواز کے زیر و بم میں گیت پڑھتے وقت عورت کے کرب کو اپنے لہجے میں کچھ اس طرح پرو لیتے ہیں برہن کے نرموہی کا پروس جانے کا دکھڑا تصویر بن کر آنکھوں میں کھینچ جاتا ہے یہ بھی اک فنکاری ہے اور اپنے اس فن کے ساتھ وسیم پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔

کلیجہ چاہیے دشمن سے دشمنی کے لیے
جو بے عمل ہے وہ بدلہ کسی سے کیا لے گا

مندرجہ بالا شعر کو فرد واحد کے لیے نہیں یہ شعر مزاج میں آفاقیت پیدا کرتا ہے اور دور حاضر کا احاطہ بھی کرتا ہے مثلاً اپنے ملک میں کمزور پر زوردار حملہ آور ہوتے ہیں عورتوں کی آبرو لٹتی ہے جوانوں بوڑھوں کے گلے کٹتے ہیں معصوموں کے لہو سے ہولی کھیلی جاتی ہے گھر بار لٹتے ہیں مکانات نذر آتش ہوتے ہیں وسیم صاحب کا شعر تو یہی مطلب ظاہر کرتا ہے اور ان تمام قیامت خیز لمحوں کی طرف دھیان دلاتا ہے کوئی یہ اکیلا شعر نہیں ہے وہ تو اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں ہم ظلم و زیادتی کے خلاف بے ایمانوں کے مقابل صف آرا ہیں اور بے عملوں کو ڈرے سہمے لوگوں میں عزم و ہمت کی ترغیب دیتے ہیں اور کبھی کبھی زور آور کے بارے میں کھل کے کہتے ہیں:

جو سارے شہر کی شمعیں بجھائے دیتا ہے
تو اس کے ہاتھ کو تم کاٹ کیوں نہیں دیتے

سر ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی بے عملوں کو اپنے شعر کے حوالے مخاطب کیا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اس طرح کے اشعار وہ کسی بھی شاعر کے ہوں کہ شاعر نہ اپنے وجود سے غافل ہے نہ اپنے اردگرد کے ماحول سے فرار اختیار کرتا ہے نہ معصوموں کو طاقت وروں پر ظلم وستم ڈھانے کی اجازت دیتا ہے لیکن وسیم بریلوی اور دوسرے شعرا میں اک نمایا فرق ضرور ہے برعکس وسیم صاحب اپنے اشعار کے ذریعہ فرد عمل کو جہد مسلسل کی دعوت دیتے ہیں تو ان کے لہجے میں گرمی اور شیرینی اک انجانی عجیب سی فضا قائم کرتے ہیں

اور تدبیریں مری ناکام کر
میں ابھی تقدیر کا قائل نہیں

وسیم کے اس شعر میں تدبیروں سے ناکافی پیدا کرنے دبدبے سے غم کا احساس تو ضرور پیدا ہوتا ہے جو یہ یقین دلاتا ہے وہ بھی گوشت پوست سے بنے ہیں اور اسی دنیا کے انسان ہیں جنہیں اپنی ہار کا ملال ہے مگر اس شکست وناکامی سے گھبرا کر قسمت کو الزام دیتے ہوئے وہ زندگی سے فرار کا راستہ اختیار نہیں کرتے لیکن انہیں حوصلہ شکن حالات میں تدبیر کے آہنی پنجہ موڑنے کی سعی کرتے ہیں جیسے کہ یہ شعر

ہر وار پہ مڑ جاتی ہے ظالم کی کلائی
اس دور کے مظلوم بھی لوہے کے بنے ہیں

قمر

وسیم کی شاعری سچے اور کھلے جذبات کی ترجمانی ہے وسیم نے دیگر بڑے شہروں کے شاعروں کی طرح ہوٹلوں میں بیٹھ کر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کیا ہے بلکہ وقت کی قدر کی ہے اور زندگی کے ایک ایک لمحے سے اپنی زندگی کا قرض وصول کیا ہے اور اس وصولیابی کا فیض ہے کہ وہ ساری دنیا میں مشہور ومعروف ہیں کہ انہوں نے جب بھی تدبیر ناکام دیکھی تو قسمت کے فیصلے کا انتظار نہیں کیا بلکہ عزم ہمت پیدا کی اور مردانہ وار بڑھ کر وقت کا آہنی پنجہ مروڑ دیا اور بدلے میں انہیں جوانمردی کے صلے میں وہ سب کچھ حاصل ہے جو اک کامیاب زندگی گزارنے کی پہچان ہوتی ہے یہ بھی قدرت کی دین ہے کہ موصوف کو جب اللہ نے علم شاعری سے نوازا تو ساتھ ہی لحن داؤدی بھی عطا فرمادی اللہ جب نوازنے پر آتے ہیں تو ذرے کو ماہ وانجم کی طرح پرنور کردیتے ہیں۔

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

وسیمؔ

ملک ہند میں اردو اور اردو کی جان شاعری بڑے دکھوں کی راہ سے گذر رہی ہے ہماری بنیادی روایتی شاعری سے محبت بھی جتاتے ہیں اور انحراف جیسا مسئلہ بھی درپیش ہے اور روش سے ہٹ کر شعر کہنا تو ممکن ہے مگر شریعت کو نقصان پہونچتا ہے کم سے کم میر، غالب، ذوق جیسی شاعری کی زبان اپنا پائیں تو خیر مگر اصغر، یگانہ جگر، مجروح کی شاعرانہ ٹکنیک کو مدنظر رکھنا ضروری ہے پھر بھی شعر کی تخلیق بند نہیں ہے چند شعرا ہیں جو روایات کے بھی پابند ہیں اور عصر حاضر کا مزاج سمجھتے ہیں جیسے وسیم کہتے ہیں۔

میں جیا ہوں اس طرح سے کہ یقین ہو گیا ہے
مرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہوگا
مرے شعر مری سانسیں ہیں وسیم زندگی کی
یہ نہ ہو تو سارا قصہ ہی مرا تمام ہوگا

پوری اردو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو وسیم بریلوی کو نہ جانتا ہو ورنہ اردو علم وادب کا ہر طالب علم وسیم نام سے بخوبی واقف ہے جیسے ہندی ادب کے بڑے کوی سوم ٹھاکر صاحب اور گوپال داس نیرج صاحب سے ہندی اردو والے بھی واقف ہیں مزید عرض کروں وسیم صاحب بھی عربی، فارسی، ہندی والے بطور کامیاب شاعر بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں بقول میر تقی میرؔ

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے
باغ تو سارا جانے ہے

اس وقت میں وسیم کے ترنم کی گونج سامعین کی واہ واہ کی باتوں سے الگ ہٹ کر ان کو ان کے مجموعۂ کلام ''مزاج'' میں ان کے شعری آئینے میں تلاش کر رہا ہوں ان کا مجموعۂ کلام ''تقسیم غم'' کی بھی کچھ اہم غزلیں ہیں اس نوعیت کے نازک خیال اور نازک مزاج شاعر کا نمائندہ مجموعہ جو وسیم کے شعری سفر کا شفاف آئینہ ہے انہوں نے ایک فن کے طور پر زبانوں کے بننے اور بگڑنے

کے عمل اور لفظ کی قوت کو سمجھا ہے وسیم نے زبان کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے زبان کے فکری اسلوب کے تجربے وسیم کی شاعری میں بکھرے پڑے ہیں جیسا کہ ان کے ہم عصروں نے مفلر، پل سائرن، بٹن، گلاس، لان قسم کے الفاظ اردو غزل کے مزاج کو سنوارنے کے بجائے بگاڑنے کی کوشش کی ہے لیکن وسیم تغزل کے علامتوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں اور زبان کے مزاج داں ہونے کی حیثیت سے زبان جیسی نازک چیز سے کھلواڑ نہیں کرتے ان کے بعض اشعار سند کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

| | | |
|---|---|---|
| میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں | ساری مستی شراب کی سی ہے | میرؔ |
| دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے | آخر اس درد کی دوا کیا ہے | غالبؔ |
| تم مرے پاس ہوتے ہو گویا | جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا | مومن |
| اک ذرا سی انا کے لیے عمر بھر | تم بھی تنہا رہے ہم بھی تنہا رہے | وسیم بریلوی |
| جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا | کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا | وسیم بریلوی |
| رات بھر آنسوؤں سے جو لکھی گئی | صبح کو اس کہانی کا سودا ہوا | وسیم بریلوی |

زبان کے رمز و نکات کو سمجھنے والے وسیم نے غزل کی زبان کو معنویت دی ہے گیت کہتے ہیں تو محض ضرورت مشاعرہ کے لیے نظم گوئی کی شاعری سے کنارا کشی اختیار کر لی ہے وسیم تفصیل کو اجمال میں لانے کا فن جانتے ہیں اور غزل گو کو اس پر قدرت حاصل ہے یا ہو جائے تو سمجھیے بیڑہ پار ہے اصغرؔ و جگرؔ اور آرزوؔ لکھنوی جیسے شاعر مثال کے طور پر دیکھے جا سکتے ہیں مجروح اور فیض کے بعد غزل کا یہ سوتا سوکھ سا گیا ہے خمار بارہ بنکوی کے بعد مجھے اس میدان میں ریت ہی ریت دکھائی پڑتی ہے۔

وسیم پر الزام ہے کہ وہ غم پسند شاعر ہیں لیکن وسیم کی غزلیں دور حاضر میں عکس ریز ہیں جہاں مجھے جگرؔ اصغرؔ آرزوؔ اور خمارؔ و فراقؔ صاحب کبھی کبھی دکھائی پڑتے ہیں وسیم بریلوی کا یہ شعر۔

مری زیست کا جنازہ کہ جو راہ وقت میں ہے
جو تھکیں گے دن کے کاندھے تو سپرد شام ہوگا

غم کا بیان بڑے عجیب و غریب انداز میں ہوا ہے جہاں آفاقیت کے پہلو بھی نظر آتے ہیں

اور شعر ہمیشہ کے لیے وسیم بریلوی کی پہچان بن گیا جس کا سلسلہ صبح تا شام کا ندھا بدلتے ہو گیا منزل بہ منزل بڑھتا جا رہا ہے غور کیجئے تو آنکھوں تلے اک تصویر کھنچتی چلی جا رہی ہے جب تک کائنات کی گردش ہے یہ جنازہ بھی گردش میں رہے گا۔

وسیم کی غزلوں میں کوئی نہ کوئی ایسا شعر مل جاتا ہے جو گذرے دنوں کی خبر دیتا ہے غم جاناں ہو کہ غم دوراں اس کے پس پشت وہ تصور پیدا کر دیا ہے بلکہ دنیا اور عقبیٰ کی تشہیر دکھائی دیتی ہے۔

یہی حادثاتِ غم ہیں تو یہ ڈر ہے جینے والو
کوئی دن میں زندگی کا کوئی اور نام ہوگا
میں کچھ اس طرح جیا ہوں کہ یقین ہو گیا ہے
مرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہوگا

وسیم بریلوی نے شعری سفر کا آغاز چھٹی دہائی میں کیا تھا اور شروعات کا سرخیمہ نعتیہ غزلیں اور نوحے ہیں میں یہ بات پورے اعتماد سے کہہ رہا ہوں کہ وسیم صاحب تب ہی سے بہتر سے بہتر کی تلاش میں سرگرداں و جستجو میں انہیں بہت کچھ ملا ہے جو کہ ہر کسی کے مقدر میں نہیں یہ اک دین ہے قدرت کی جس کا سلسلہ آج بھی ہنوز اول ہے میرا شعر ؂

کیوں تو فکر عزت و ذلت میں ہے
سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے

ان غزلوں کو پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وسیم کے یہاں شعری عمل نے انہیں بہت سی عجیب وغریب ادبی کارناموں سے جوڑ رکھا ہے۔

لہو نہ ہو تو قلم ترجماں نہیں ہوتا
ہمارے دور میں آنسو زباں نہیں ہوتا — وسیمؔ

دور حیات کے ہر پہلو اور کڑوی کسیلی حقیقتوں کو شعری زبان عطا کرتے ہیں حضرت وسیم بہت سوچ سمجھ کے بعد تخلیقی عمل شروع کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وسیم کی شاعری اپنے عہد کا دستاویز بن گئی ہے۔

دھوپ کے شہر میں ایک عمر نہ جلنا پڑتا
ہم بھی اے کاش کسی پیڑ کے سائے ہوتے

وسیم نے یہ شعر کہہ کر اس کا اظہار کیا ہے کہ موصوف نے ائر کنڈیشن روم میں بیٹھ کر شعر نہیں گڑھے ہیں بلکہ شاعری کے لیے زندگی میں جہاد کیا ہے پسینے کی جگہ خون دل کے نذرانے پیش کئے ہیں تلخیٔ شام غم کے گھوٹ پیے ہیں غموں کی دھوپ کو سایا بنالیا ہے اپنی تمام ہستی کو نذر ادب کر دیا ہے شام وصبح کے امتیازات سے اوپر اٹھ کر تلاش و جستجو میں اک عمر گزری وہ کسی پیڑ کا سایہ نہیں مجسم غم حیات ہیں اور اردو ادب کی خدمت خون دل بہا کر کر رہے ہیں میں اپنا اک شعر یہاں پیش کر کے بات تمام کرتا ہوں۔

دھوپ میں کیوں ہو کھڑے کون ہے آنے والا
بوڑھے برگد سے ہم اک بار ذرا پوچھ تو لیں

وسیم صاحب کی نعتیہ شاعری کا میدان بہت وسیع ہے یہاں نوحوں کی بھی بھر مار ہے ان کا یہ شعر بھی ایمان ویقین کے سائے میں بڑا ایمان پرور اور عقیدت نواز ہے یہ بات میں یونہی نہیں کہہ رہا ہوں وسیم کا میں میزبان رہا ہوں اور ان کی عبادات کے منظر دیکھے ہیں فرماتے ہیں ؎

آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا کے دیکھو
یہ خواب ہے تو خواب مدینے میں جا کے دیکھو

حضرت وسیم بریلوی کو راقم الحروف نے ہمراہ، اظہر عنایتی رام پور میں اک بہت عظیم الشان محفل میں نوحہ خوانی کرتے سنا ہے اور آنکھوں سے زار و قطار اشک بہتے دیکھا ہے چہرہ زرد تصویر غم میں ڈھلے اس عالم غم یا وجدان کی کیفیت میں کوئی ہمت نہیں کر سکا کہ وسیم سے کہے دوسرا نوحہ سنا دیں۔

مندرجہ بالا یہی واحد شعر ہے جو انجانے پن میں مجھے وسیم بریلوی کے پاس لے گیا یا مجھے وسیم سے عقیدت ہو گئی وسیم کی نعتیہ شاعری کے بارے میں جناب سید آباد جعفری اشرفی نظامی چالٹن لاج نینی تال نے جیسی تاریخی خامہ فرسائی کی ہے اس کے آگے مجھ جیسے حقیر فقیر کی کیا اوقات اور کیا بساط۔

تمہارے در کی زیارت کے بعد جب لوٹی
تو ہر نگاہ بولے میری نظر کے لیے

☆

اے جوش جنوں یہ دیکھ کے چل پامال نہ ہوں ذروں کی جبیں
ذرے بھی تو ان کی راہوں میں دن رات عبادت کرتے ہیں

☆

کھڑی ہیں دست بستہ خوشبوئیں پھولوں کی پلکوں پر
کسی کا جیسے نعت پاک کہنے کا ارادہ ہے

☆

بساط بھر تو سمجھنے کی سب نے کوشش کی
مگر یہ صرف خدا جانتا ہے تم کیا ہو

اسلام دین فطرت ہے اک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس موضوع پر جہاں قلم کاروں نے دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں وہیں وسیم بریلوی نے یہ کام صرف اپنے ایک شعر سے لیا ہے ۔

جینے کی تمنا کرتے ہو جینے کے لیے کیوں مرتے ہو
آؤ کہ محمدؐ کے گھر سے تقسیم یہ دولت ہوتی ہے

☆☆☆

# پروفیسر وسیم بریلوی: ایک تعارف

قمر گونڈوی

شعری مجموعے

''تبسم غم'' (1966 ''آنکھ آنسو ہوئی دیوناگری ''1972) مزاج 1990 آنکھو آنسو ہوئی 2000 میرا کیا (دیوناگری) 2000 یہ کتابیں چھپ کر اپنے ملک اور غیر ممالک میں پہونچی ہیں۔

ایوارڈ۔ میر تقی میر لکھنو کا امتیازی ایوارڈ

ہندی اردو سنگم لکھنؤ کا ایوارڈ کلا اسمرتی لدھیانہ کا اعلیٰ ٹکنیکی ایوارڈ کل ہند ہندی اردو ساہتہ ایوارڈ لکھنؤ انجمن امروہا کراچی پاکستان کا خصوصی غزل ایوارڈ دی عثمانیں (چکا گو) امریکہ کا نسیم اردو ادب ایوارڈ ریڈیو اور T,V بھارت سرکار سمیتی کے صلاح کار رام پور AIR کے صلاح کار اردو اکاڈمی (یوپی) لکھنؤ کے ممبر سول ڈیفنس بریلوی کے چیف وارڈن رہے

40 سال سے راشٹریہ اور انٹر راشٹریہ مشاعروں اور ادبی جلسوں میں اپنی شاعری کے ذریعہ انسانی قدروں اور ہندوستانی کلچر کے گنگا جمنی بستوں کی مہانتا پورے انسانی سماج میں پھیلنے کا بڑا کارنامہ انجام دیا اور اس لحاظ سے اپنی پہچان بنائی آکاش وانی اور دوردرشن کے قومی پروگرام رہیں ہوں یا قومی دن 15 اگست اور یوم آزادی کے تقریبات میں ہونے والے مشاعرے پچھلے 35 سال سے بغیر وسیم بریلوی کی شرکت کے ادھورے سمجھے جاتے رہے ہیں پچھلے 20 سال سے بھارت کے ساہتیہ دوت کی حیثیت سے چودہ بار پاکستان، آٹھ بار مسقط ایک بار بحرین پانچ بار سعودیہ عرب۔ اور سات بار شمالی امریکہ کے پرسدھ ساہتہ کیندوں نیویارک، واشنگٹن، بوسٹن، چکا

گو، پسّپام حیامی آئر لینڈ، لاس ویگن، اٹلانٹا، نیوجرسی، اور بکنگھم وغیرہ جا کر ہندوستانی ساہتیہ کی نئی نئی دشاؤں کو نئے نئے خیالات دیئے۔

مجھے وسیم بریلوی کے ادبی دوروں کی جو ملک ہند اور غیر مما لک کے ہیں یہ لسٹ A.I.R رام پور نے فراہم کی ہم AIR کے شکر گذار ہیں (آگے صفحہ میں ملاحظہ کریں)

مولانا ابوالبرکات صاحب کا تصنیف کردہ ایک فتویٰ دو جلدوں میں فتاویٰ مجمع البرکات آج بھی موجود ہے، مفتی محمد دولت صاحب کے متعلق "آپ حیات" تحریر ہے کہ خواجہ میر درد مثنوی مولانا روم ان سے پڑھنے آتے تھے اور مولانا تراب علی صاحب 53 کتابوں کے مصنف تھے آج بھی اس کا خاندان میں پروفیسر محمد حسن ایسے ذی علم نکتہ فہم اور معتبر نقاد موجود ہیں اس ساری تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا کہ وسیم ایک نہایت معزز باوقار اور صاحب علم خاندان کے فرد ہیں۔

وسیم بریلوی نے رام پور اور بریلوی میں دو جگہ تعلیم حاصل کی ہے ہر چند کہ رام پور میں ان کا قیام بہت مختصر یعنی 1947 سے 1950 تک ہی رہا۔

1958 ایم۔اے فرسٹ ڈویزن میں پاس کرنے کے بعد ان کا تقرر لکچرار کی حیثیت سے سنبھل انٹر کالج میں ہو گیا۔ اکتوبر 1959 میں وسیم کا تقرر دہلی یونیورسٹی کے ہندو کالج میں ہو گیا اس ملازمت کے دوران ہی انھوں نے لسانیات میں داخلہ لے کر زبانوں کی تشکیل وارتقاء کا مطالعہ کیا۔

دہلی کی ملازمت اور رہائش سے انھیں بیک وقت کئی فائدے پہونچے یہ فائدہ ادبی فائدہ ہے۔ خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر قمر رئیس، پروفیسر گوپی چند نارنگ وسیم کے ہاتھ لگ گئے۔

16 جولائی 1962 وسیم بریلوی بحیثیت اردو لکچرار بریلوی کالج (بریلی) کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہو گئے 1979 میں انھیں شعبہ کا صدر بنا دیا گیا 1962 سے آج تک وسیم بریلوی کے پانچ شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں مزاج کے دو ایڈیشن پاکستان میں شائع ہوئے ہیں۔

وسیم بریلوی پچھلے بیالیس برسوں سے لگاتار ملک و بیرون ملک کے مشاعروں میں قابل فخر کامیابی حاصل کرتے آرہے ہیں۔

لگ بھگ وہ 42 سال تک مدرس کے پیشے سے جڑے رہے۔ بہ الفاظ دیگر وسیم نے اپنی

عمر کے دوتہائی حصہ سے بھی زیادہ درس تدریس میں گذارا ہے ہاں وسیم بریلوی کی شخصیت وشاعری پر تحقیقی کام کرنے کے دوران اکثر ایسے اشعار میرے سامنے آئے جہاں شاعر وسیم کے بجائے میری ملاقات مدرس وسیم سے ہوئی، ان اشعار میں مجھے ایک ایسا ایماندار مولوی بولتا نظر آیا جو اپنے طلباء کی تعلیم ہی نہیں تربیت کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس لئے انھوں نے نہ صرف کالج بلکہ کالج کے باہر مشاعروں کے پنڈال میں بیٹھے یا پھر ان کی غزلوں کے معاملے سے گذرتے ہوئے سبھی اپنے نوجوانوں کو اپنا طالب علم تصور کرتے ہوئے انھیں کوئی نہ کوئی درس دینے کی کوشش کی۔

آج کے ذہنی انتشار اور طلبا کے گرتے کردار سے کون انکار کرسکتا ہے اور ایسے میں وسیم صاحب ان سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں۔

خاک پا ہو کے ملو جس سے ملو پھر دیکھو
اس بلندی سے تمہیں کون اترنے دیگا

یا

اپنے ہر ہر لفظ کا میں آئینہ ہو جاؤں گا
اس کو چھوٹا کہہ کے میں کیسے بڑا ہو جاؤں گا

اخلاقیات کا درس دینے کے بعد وسیم اپنے طلبا کو متحرک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انھیں جہاد زندگی میں مجاہدانہ کارنامے انجام دینے پر حوصلہ بخشتے ہیں

ذرا سی خاک ہو اس بات پر نہیں جانا
ہزار آندھیاں آئیں بکھر نہیں جانا

اور جب ان کے اس خطاب کے اثر سے یہ طلبا پر طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیتے ہیں تو وسیم فوراً ہی یوں چوٹ کرتے ہیں

اصولوں پر جہاں آنچ آئے ٹکرانا ضروری ہے
جو زندہ ہو تو پھر زندہ نظر آنا ضروری ہے

اور اپنے لہجے کو نرم اور شیریں رکھنا ہے جس سے وہ اپنی تمام تھکن بھول کر مسکرا اٹھیں لیکن

ان کا اتنا اثر نہیں ہوتا وسیم صاحب یہی بات ایک مدرس طلبا کو اس طرح سمجھاتے ہیں ۔

تھکے ہارے پرندے جب بسیرے کی لیے لوٹیں
سلیقہ مند شاخوں کا لچک جانا ضروری ہے

T,V پر پروگرام آ رہے ہیں لیکن پس پردہ خواتین اور خصوصاً نوجوان لڑکیوں کو ترغیب بے حیائی دی جا رہی ہے سوچی سمجھی سازش کے تحت ان کے کردار اخلاق کو تباہ کرنے پر تلے ہیں تو وسیم اپنی نئی نسل کو آئینہ دکھاتے ہیں ۔

دشمن تہذیب مشرق اور کیا چاہے گا تو
ہم نے ٹی وی کو کھلا وقت اذاں رہنے دیا

یہ جانتے ہیں کہ یہ طلبا اتنی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اگر یہ اپنی فکر کو صحیح طور پر استعمال کریں تو بلا شبہ یہ ایسے شعر کہہ سکتے ہیں جو انفرادیت وافادیت کے حاصل ہوں گے لہٰذا فوراً ہی اپنے طلبا کو مشورہ دیتے ہیں۔

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

لیکن ان میں کوئی ایک کتاب یا کسی کتاب میں ایک سبق بھی ایسا نہیں جو انسانی ہمدردی غربا پروری ایثار وقربانی پر اثر درس نہ دیتا ہو۔ لہٰذا وسیم اس نصاب سے الگ اپنے طور پر طلبا کو درس دیتے ہیں۔

نئے دور کے چراغوں تمہیں کتنی حسرتوں سے
وہ مکان تک رہے ہیں جہاں روشنی نہ پہونچی

اور وہ مدرس وسیم سے اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک چراغ سے کیا ہو جائے گا اور تنہا دیا زمانے بھر کی تاریکی کیسے دور کر سکے گا تو وسیم ہمت بندھاتے ہیں ۔

سفر مشکل سہی لیکن مری ہمت یہ کہتی ہے
اکیلا چل دیا ہوں میں اکیلا رہ نہیں سکتا

وسیم بریلوی (مدرس) سچا ایماندار باشعور اور ہمدرد ثابت کرتا ہے اور ساتھ ہی ایک

ایسا عظیم شاعر (مدرس) جس کی شاعری صرف دل و دماغ کی آسودگی کا سامان مہیا نہیں کرتی بلکہ لمحۂ فکر بھی عطا کرتی ہے۔

وسیم بریلوی کے فن اور شخصیت پر تحقیق کر کے ڈاکٹر جاوید نسیمی نے PHD کی ڈگری حاصل کی ہے مگر میں نے ابھی تک یہ کتاب دیکھی نہیں ہے۔ وسیم صاحب کی شاعری پر بعد مدت کام کرنے کے لیے رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا مگر کام شروع کرنے سے پہلے ذہن میں خیال گذرا کہ وسیم کی زندگی اور ان کی شاعری پر میرے دوست ڈاکٹر جاوید نسیمی PHD کر چکے ہیں لہٰذا ان کا ادبی طور پر مجھے تعاون حاصل ہوگا اس خوش خیالی میں ڈاکٹر جاوید نسیمی کو خط لکھا مگر ان کی طرف سے مکمل خاموشی رہی نہ میرے خط کا جواب آیا نہ ڈاکٹر جاوید نسیمی کی تھیسس ہی ملی۔ یقین تو نہیں گمان ہے شاید میرا خط پہنچا ہے تو مصلحتاً ڈاکٹر نے خاموشی اختیار کی ہے اب حقیقت کیا ہے وہ اللہ ہی جانتے ہیں پھر بھی اپنی کتاب ”تحقیق وسیم میں ڈاکٹر جاوید نسیمی کا میرے ساتھ ہونا یوں ضروری ہے کہ وہ بھی اپنی ادبی علمی سانسوں میں وسیم کی محبت کا الم دبائے ہیں اور میں بھی وسیم صاحب کی بے نیازانہ اداؤں کا قیدی ہوں لہٰذا ہم دونوں عاشق وسیم ساتھ ہی گامزن رہیں یہ خیال آتے ہی ڈاکٹر جاوید نسیمی کا اک مضمون جو شائع شدہ ہے اور وسیم سے متعلق ہے یاد آیا تو گذشتہ رسالوں کی ورق گردانی کی 2003 میں حضرت جاوید پکڑ میں آگئے میں نے بطور محبت جاوید کے مضمون کے تحقیقی حصوں کے اقتباسات شامل کتاب کر لئے لیکن حق بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر جاوید نسیمی نے مضمون نگاری کا حق ادا کر دیا ہے ممکن ہے وسیم نے جاوید کو Thank پیش کیا ہو مگر اس کے امکانات بہت تھوڑے ہیں میرا شعر ہے ؎

وہ اپنے جلوں میں گم تھا تو مجھ کو کیا سنتا
پڑھی جب اس نے غزل خوب داد دی میں نے

☆☆☆

# وسیم حیات وخدمات

قمر گونڈوی

وسیم کی جائے پیدائش اور سن پیدائش 8 فروری 1940 بریلی ہے (19 تا 25 مئی 1992 ''اخبارِ خواتین'') وسیم بریلوی حمیرا اطہر (پاکستان) کو انٹرویو دیتے ہوئے فرماتے ہیں میرا نام زاہد حسن ہے مگر ادبی دنیا میں وسیم بریلوی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہوں، اب تک تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جنکی تفصیل ہے تبسم غم 1966۔ (2) آنسو میرے دامن تیرا) یہ دیونا گری زبان میں ہے جو 1972 میں جشن وسیم کے موقعہ پر۔ شائع کیا گیا 3۔ مزاج 1990 اس پر اردو اکادمی یوپی کی جانب سے بھی ایوارڈ ملا۔ میرا خاندان مراد آباد کا ہے مگر پیدائش تعلیم وتربیت ننہال یعنی بریلی میں ہوئی، اس زمانے میں آگرہ یونیورسٹی ہوتی تھی بریلی کالج اسی سے ملحق تھا وہیں سے فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن کے ساتھ اردو میں (ایم اے) کیا۔

ملازمت کا آغاز ایک انٹر کالج (سنبھل ضلع مراد آباد) سے ہوا، پھر میں دہلی یونیورسٹی میں رہا۔ اسی کے بعد بریلی آیا ابتدا تو لکچرار کے حیثیت سے کی تھی مگر اب صدر شعبۂ اردو ہوں۔ میں اس شعبہ میں سب سے سینیر (آدمی) ہوں میری نگرانی میں گیارہ تحقیقی مقالے لکھے لیے اور ڈگری سے فیضیاب ہو چکے ہیں جن میں کچھ کام کے بھی ہیں مثلاً: ہندوستان کی جنگ آزادی میں اردو صحافت کا کردار، منشی ذکاءاللہ کے علمی، ادبی کارنامے، اردو تحقیق میں امتیاز علی عرشی کا مقام مرتبہ میر خورشید علی نفیس، کیفی اعظمی : حیات اور شاعری، شیام موہن لال جگر بریلوی شخصیت اور فن وغیرہ، ان دنوں جن پر کام ہو رہے ہیں ان میں دو بہت اہم ہیں، ایک ہے اردو نعت میں مولانا احمد رضا خان

کا مقام و مرتبہ اور دوسرا حضرت امام احمد رضا خاں اور اردو نثر نگاری۔

ہم پانچ بہن بھائی ہیں تین بھائی دو بہن، مگر والد کی جانب سے شاعری کے جراثیم کسی اور بہن بھائی میں نہیں آئے، ہمارا گھرانہ زمیندار گھرانہ تھا۔ میرے والد صاحب بہت بڑی جائیداد کے مالک تھے، مگر ان کے سیدھے پن کی وجہ سے ساری جائیداد اور جاگیر خرد برد ہوگئی ہم نے جب ہوش سنبھالا تو ہمارے سروں پر نانہال کی چھت تھی چنانچہ جن بچوں کی پرورش باپ کے ہوتے ہوئے اس طرح ہوتی ہے ان کے جو مسائل ہوتے ہیں میں نے وہ سب برداشت کئے۔ میں کچھ زیادہ ہی حساس تھا لہٰذا آپ یقین کریں کہ میں نے برسوں عید کے دن نیا لباس نہیں پہنا محض یہ سوچ کر کہ بہت سے بچوں کو تو یہ بھی میسر نہیں ہوگا ایسے میں مجھے (نیا لباس) پہننے کا حق پہونچتا ہے یا نہیں، اپنی اس طبیعت نے مجھے شعور حیات کو زیادہ قریب سے پرکھنے کا موقعہ دیا، میری والدہ بڑی عظیم شخصیت کی تھیں انھوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ خراب حالات میں ہماری پرورش، تعلیم و تربیت اور کردار سے متعلق نصیحتیں کیں اور ہم تینوں بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور ہم ان کی خوبصورت تربیت کے نتیجے میں یوں دنیا کے سامنے آسکے میرے بڑے بھائی افروز حسن دہلی میں ربڑ بنانے والے ایک پلانٹ میں ایڈمنسٹریٹو افسر ہیں، چھوٹا بھائی راشد حسن (ایم کام) اسی فیکٹری میں اکاؤنٹنٹ ہے۔

میری شادی 1975 میں ہوئی دیکھئے آنجہانی کمشنر ڈی۔ این آریہ کا مضمون۔ دراصل شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ شادی کے سوا کچھ کام کرنا چاہتا تھا مگر میری والدہ بہت بیمار رہنے لگیں میں ان سے بہت محبت کرتا تھا ان کا انتقال 1992 اور والد (محترم) کا 1984 میں ہوا، جب والدہ کا اصرار خواہش سے حکم بن گیا تو میں نے ہامی بھر لی۔ خود میری والدہ (صاحبہ) سمیت سب لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ میں عالمی سطح پر مشہور ہو چکا ہوں لہٰذا اپنی پسند کے مقابلے میں (میری پسند کے موافق بھی کوئی خاص چیز مد نظر ہوگی) مگر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ لڑکی (دلہن) بھی وہ خود ہی پسند کریں جہاں مناسب سمجھیں رشتہ کر دیں کیونکہ میں نے اب تک شاعری کے سوا کسی اور جانب توجہ نہیں دی۔

اس مقام پر معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ یہ ناچیز (قمر) حضرت جگر مراد آبادی کے

خدمت میں اک عمر تک رہا۔ میں نے محفل جگر میں (الف سے لیکر چھوٹی (ی) تک کے نام کے تمام شعرا جن کے علم وفن کا پورے ملک میں ڈنکا بج رہا تھا ان بڑے شعرا کی نجی اور دنیاوی زندگی سے زیادہ سے زیادہ واقف ہوں شعری بھوپالی، مجروح سلطانپوری، علامہ انور صابری، مجنوں گورکھپوری، تسکین قریشی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، جیسے حضرات اور ان کے علاوہ بھی بہت سے شاعر معاشقانہ زندگی کی علتوں کا شکار تھے۔ خود جگر صاحب کی کئی عدد معشوقائیں تھیں آپ کو سن کر حیرت ہوگی مثلاً جگر نے اپنے بچپن میں (لکھنو والی سے) محبت کی جو عمر میں ان سے بڑی تھیں پھر یہ اپنی کسی عزیزہ کو دل دے بیٹھے۔ یہ بھی عمر میں ان سے بڑی تھیں۔ جگر صاحب نے وحیدن بیگم (پنجابی) سے 1907 میں عقد کر لیا۔ مزید اور بھی بہت سے اس طرح کے واقعات تاریخی کتابوں میں مجھے ملتے ہیں یہ تو رہی تھوڑی پرانی باتیں حال میں بیکل اتساہی نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسرا عقد کیا۔ پروفیسر ملک زادہ بھی کئی معشوقاؤں کے مالک رہے ہندو پاک کا بہت عمدہ شاعر احمد فراز جمالیات پر فدا اور اپنی دوست لڑکیوں میں سدا گھرا رہنے والا شاعر تھا۔ یہ مرض شاعروں میں حافظ شیرازی سے لیکر جگر صاحب تک سب کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

عالمی شہرت یافتہ شاعر حسین کڑیل جوان وسیم بریلوی عمدہ شاعری کرنے کے باوجود عاشقانِ وقت کے گروہ میں نظر نہیں آتے اور میں یہ بھی جانتا ہوں وہ عشق وشق کے چکر میں کبھی نہیں پڑے ورنہ اپنی ہونے والی دلہن کے بارے میں اپنی والدہ کی پسند کو ترجیح ہرگز نہ دیتے۔ اور آج عاشق دل پھینک جوش ملیح آبادی کہلائے جاتے (سکر پھر وسیم بولے)

وسیم کا خیال ہے کہ دراصل اس میں میرے فائدے تھے، اول تو یہ کہ میں کاہے کو موضوع تنقید بنوں، دوسرے اب ماں کے جذبات کا احترام کر رہا ہوں تو پھر پوری طرح سے کروں۔ چنانچہ میری والدہ نے میرٹھ کے خان بہادر اعجاز حسین خاں کی پوتی نکہت کو میرے لئے پسند کیا اور میری شادی ہوگئی۔ میں نے شادی سے پہلے انھیں دیکھا تک نہیں تھا مگر خدا کا شکر ہے وہ پڑھی لکھی خاتون ہیں۔ شعر کہنے کا شعور رکھتی ہیں ہم بڑی خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ خدا نے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا دیا ہے۔ بڑی بیٹی ہاجرہ وسیم نے Icsc میٹرک کا امتحان دیا ہے دوسری آٹھویں کلاس میں آئی ہے بیٹا موزوں وسیم ماشااللہ بہت ذہین ہے چھٹی جماعت میں 90 فیصد

نمبر لے کر ساتویں میں گیا ہے۔ میرے دیرینہ کرم فرما وسیم بریلوی کا انٹرویو آپ نے مطالعہ فرمایا اس انٹرویو موصوف سے متعلق شاعرانہ غیر شاعرانہ بے حد اہم تاریخی معاملات ہمارے اور آپ کے سامنے آئے ہیں اس سفر زندگی کے درمیان وسیم نے کہاں کہاں اپنی پہچان کے آشیانے ترتیب دئے ہیں جو ایک ناقد وتبصرہ نگار کی نگاہ میں معاون ومددگا ثابت ہوئے ہیں ۔وسیم صاحب کی شاعرانہ زندگی کی راہیں جگر، فراق، مجروح اور فیض کی راہوں کی طرح دشوار گذار یا پر پیچ قطعی نہیں ہیں۔اس کا تجربہ مجھے یوں ہوا ہے کہ چند بڑے شاعروں کے بارے میں جب بھی کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھایا اور ان کی شاعرانہ زندگی کی تحقیق شروع کی تو اصغر گونڈوی کی شاعرانہ الجھی ہوئی راہوں کی طرح سبھی شاعروں کی راہوں کی سمتیں مجھے کبھی سیدھی نہیں ملیں۔ہر شاعر کی شاعرانہ ونجی زندگی بڑی پر پیچ اور دشوار گذار نظر آئی کبھی کبھی تو یوں بھی ہوا ہے کہ ان بڑے شاعروں کی سیدھی راہیں تلاش کرنے میں میں خود ہی بے سمت راہوں میں بھٹک گیا۔ میں اپنے بزرگوں پر الزام نہیں لگا رہا ہوں یہ سلسلہ تو عمر خیام، امیر خسرو، حافظ شیرازی میر تقی میر، غالب سے ہوتا ہوا حضرت جگر تک پہنچتا ہے۔عصر حاضر کے قلم کاروں میں سعادت حسن منٹو جلدی جلدی راہیں بدلنے کے اور قدم قدم پر ٹھوکر کھا کر سنبھلنے کے امام ہیں۔ یگانہ چنگیزی غالب شکن بننے کے شوق میں شاعرانہ زندگی میں ایسی آزاد طبیعت اور فطرت کے ہو گئے کہ اللہ کی پناہ۔تب اہل لکھنؤ نے یگانہ چنگیزی کی شان میں بڑی گستاخیاں کیں مگر یہ اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ یہی شاعرو افسانہ نگار میدان علم وادب میں سرمایۂ ادب ہیں جگر صاحب کے کلام پر جب بہت لعن طعن ہونے لگی تو لعن طعن کرنے والوں کو جگر نے یوں للکارا۔

کدھر سے آج چمکتی ہے برق اے ناصح<br>
میں اپنا جام اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

لیکن حضرت وسیم بریلوی اردو کے انٹرنیشنل شاعر ہوتے ہوئے بھی بزرگوں کا احترام کرنے کے باوجود نہ کبھی شراب سے شغل فرمایا نہ کبھی کسی پتھر کے صنم کے پرستار نظر آئے۔حسن وجمال کے شیدائی ضرور ہیں مگر ایسے بھی جذباتی نہیں کہ حسینوں کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس جائیں۔ وہ قلندر صفت ضرور ہیں۔ اور تصوف کے جتنوں میں گم ہو کر موصوف نے اپنی معصومانہ

فطرت کا ہمیشہ لحاظ و پاس رکھا۔ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں قدرت نے ہمیں جس معصوم شکل کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے میں اسی معصوم شکل کے ساتھ دنیا سے واپسی کروں گا۔خواہ مخواہ کے لیے دلوں میں بیجا وسوسے پیدا کر کے لوگ اپنی معصومیت کو غارت کر دیتے ہیں۔ میں وسیم صاحب کا یہ نرالا اور دلچسپ انٹرویو آگے پیش کروں گا۔

وسیم نے حمیرا اطہر کو جو انٹرویو دیا ہے۔وہی انٹرویو موصوف نے مجھے بھی آج سے برسوں پہلے دیا تھا یہ انٹرویو ندیم بھوپال، امکان لکھنؤ اور گلابی کرن دہلی میں بالترتیب شائع ہوئے مجھے واہ واہی کے مسلسل خطوط ملتے رہے۔میرا خیال ہے ملک ہند میں اس مضمون سے وسیم صاحب کو ادبی فائدہ حاصل ہوا اس مضمون کی تعریف ملک ہندو پاک کے مشہور شاعر و ناقد و تبصرہ نگار پروفیسر ملک زادہ نے کی تب میں خوشی کے مارے پھولا نہیں سمایا اور برجستہ میرے منہ سے نکل گیا۔

اک ذرا سا جو کرم مجھ پہ وہ فرماتا ہے
غم اٹھانے کا مرے حوصلہ بڑھ جاتا ہے

وسیم اس مضمون اور میری ادبی کاوش پر مطمئن بھی ہوئے خوش بھی ہوئے اور مجھے نقد Award بھی دیا۔محترمہ حمیرا کو دئے گئے انٹرویو میں وہ پیراگراف مجھے پڑھنے کو نہیں ملا جو اس انٹرویو کا حاصل ہے (ملاحظہ کریں)

میرے اک استفسار پر فرماتے ہیں:

"میں نے ہر کروفر کی تمام بیساکھیوں کو تخلیقی دردمندیوں کے سامنے بے معنی سمجھا، ہندو کالج دہلی یونیورسٹی میں لکچرر تو لوگ پروفیسر کہتے رہے۔ پھر 1962 میں بریلی کالج بریلی کے پوسٹ گریجویٹ اردو ڈپارٹمنٹ میں لکچرر تھا یا پھر ریڈر رہا پھر 8 سال صدر شعبۂ اردو رہا۔آخر کے دو سال ڈین فیکلٹی، بورڈ آف اسٹڈیز، ریسرچ ڈگری کمیٹی کا کنوینر رہا میری نگرانی میں دس تحقیقی مقالے لکھے گئے اور ریسرچ اسکالروں نے ڈگریاں حاصل کیں، ان سب باتوں سے کیا لینا دینا وسیم بریلوی ہوں وسیم بریلوی رہوں گا۔"

وسیم 20-11-02

مشاعروں کی تقریب میں وسیم نہایت قیمتی سوٹ میں نظر آتے ہیں۔ مشاعروں کا نذرانہ بھاری لیتے ہیں۔ مشاعروں کی نفسیات کے حکیم ہیں۔ اکھڑے سے اکھڑے مشاعروں کو پلک جھپکتے میں سنبھال لیتے ہیں۔ کیا کلام پڑھا جائے وسیم کو اس کا خاصہ تجربہ ہے وسیم صاحب پان کی جگالی خوب کرتے ہیں دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں مگر بشیر بدر پان نہیں کھاتے اور نہ کسی کو کچھ کھلاتے پلاتے ہیں۔ وسیم کی حیت نے زندگی کا عمیق تجربہ کرایا ہے۔ زندگی کے برتنے کے ہر عکس کو اپنے میں اتار لیتے ہیں چھوٹی چھوٹی بات جسے عام لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، وسیم انھیں باتوں پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اشعار کی صورت میں ہمارے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آپ یقین کریں نہ کریں ان کا ہر شعر ان کی زندگی کا بہترین اور کامیاب تجربہ ہے۔ میری ادبی زندگی میں جن شاعروں نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ ہیں حضرت جگر، حضرت مجروح، ڈاکٹر معصوم رضا راہی اور وسیم بریلوی۔ اصغر گونڈوی غم دوران کو غم جاناں میں ڈھالنے کا کامیاب نسخہ جانتے ہیں اصغر صاحب کی اس فنکاری کو وسیم نے پرکھا جانا یہی وجہ ہے کہ وسیم نے باندازِ غزل شعروں کی نغمگی، دبی دبی چنگاری کی سوزش میں زندگی کے آبلوں کی بڑی مہارت سے نشان دہی کی ہے اور کہیں کہیں وہ ان زخموں کی مسیحائی بھی کرتے ہیں۔ اسی سبب فراق صاحب وسیم کی شاعری کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔ اور یہ سب غیر ارادی طور پر لاشعور کی تہہ در تہہ کا جائزہ لیتے ہوئے اک امتیازی شکل کے ساتھ شعور کی سطح پر نمودار ہو جاتے ہیں''

مگر وسیم جانتے ہیں یہ سب وقتی باتیں ہیں جسے اول نمبر کا ادب قرار نہیں دیا جا سکتا شعر وہی زندۂ جاوید ہے جس میں زیادہ سے زیادہ سچائی و آفاقیت ہو۔

ایک زمانہ تھا جب محنت کش عوام کے مسائل تھے ترقی پسند شاعروں نے خوب خوب نظمیں کہیں جگر جیسا عظیم غزل گو شاعر بھی کہہ اٹھا ؎

فکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آجکل

مجروح سلطانپوری باندازِ غزل جو انھیں کہنا تھا بہ حُسن وخوبی کہتے رہے مزدوروں کے نامور شاعر کیفی اعظمی صاحب اس دنیا سے سدھارے تو ان پر لکھنؤ میں سمینار ہوا۔ بڑے بڑے اردو

کے دانشور لکھنؤ پہونچے مگر اس تقریب میں پروفیسر وارث کرمانی (علیگ) نے کیفی صاحب کی شاعری پر تقریر و تبصرہ کرتے ہوئے اس بات سے قطعی ان کار کیا کہ کیفی صاحب بڑے شاعر تھے۔

جناب شمس الرحمان فاروقی نے بھی شب خون الہ آباد میں کیفی صاحب کے انتقال پر اظہار افسوس کیا مگر ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ میں کیفی کو بڑا شاعر نہیں مانتا۔ میرے کہنے کا مطلب ہے شاعری وقتوں کے حساب سے نہ کبھی بڑی شاعری مانی گئی ہے نہ مانی جائے گی۔

حضرت فراق گورکھپوری مزید فرماتے ہیں :

وسیم کے اشعار سے محسوس ہوتا ہے یہ محبوب کی پرستش میں مبتلا رہ چکے ہیں وسیم کی شاعری میں حادثات زیادہ ہیں جو حادثات محسوسات کی حقیقی فکر اور صالح جذبات کے ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہوئے ہیں ان کے اجمال کی توضیح دیگر عنوانات سے ہوتی ہے۔۔۔۔اور یہ وابستگی شاعر کو فروغ ہمت کے ابہام سے دور رکھتی ہے اس کے علاوہ داخلیت اور خارجیت کی فروعی اظہار سے مبرا کرتی ہے روح اور مادے کے درمیان جو پردہ ہے اٹھا دیتی ہے ایک مفکر اپنی زندگی میں کائنات کا جائزہ لیتا ہے۔

مری حیات میں شاید وہ موڑ چھوٹ گئے
بغیر سمتوں کی راہیں جہاں نکلتی ہیں

حضرت فراق فرماتے ہیں ''فکر اور صالح جذبات کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے'' مگر اس اجمال کی توضیح سے انھوں نے خود کو بچالیا، کیونکہ بغیر سمتوں کی راہیں تلاش کرنے میں فاضل تبصرہ نگار کو ہزار صدی پیچھے جا کر سفر شروع کرنا ہے جو بڑا جوکھم ہے، وسیم اشارے کنائے میں بات کہہ کر اپنے تبصرہ نگار اور ناقد کا امتحان لے رہے ہیں اور میں وسیم کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں۔

معذرت کے ساتھ عرض کروں کہ فراق صاحب منطقی یا فروعی استدلال سے آگے نہ بڑھے یا اس شعر کی اصل روح کیا ہے سمجھ ہی نہ پائے ، مہینوں کی تلاش وطلب نے راہ دکھائی تو لغزش آدم ، کشتی ، نوح علیہ السلام کا ساحل بہ کنار ہونا، حضرت موسیٰ کا دریائے نیل سے گذر جانا ، زمانۂ جہالت میں میرے نبی کی آمد اور اس کفر وضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شمع رسالت کا منور ہونا یعنی بغیر سمت کے حق وصداقت کی راہیں نکلنا جس کے ہر عکس من جملہ میں حضرت آدم کی دعا

نوح علیہ السلام کی طوفان سے کشتی کا نکل جانا، یہی اور اس کے علاوہ اور بھی بے سمت کی راہیں ہیں جسے اپنے بندوں پر اس نے واضح کیا جو خدا لفظ ''کُن'' سے زمین و آسمان پیدا کر سکتا ہے وہ بغیر سمتوں کی راہیں بھی نکال سکتا ہے۔ چشم بصیرت پیدا کرو اور آدم تا احمد سلسلہ وار میری حکمت اور دانا ئی دیکھو۔

فراق صاحب نے وسیم کے کلام میں آ گہی اور شعور کی تہوں کا جائزہ لیا ہے اور ایسا شعور جو کیف وسرور کا گلدستہ ہے اور اس آئینہ احساس میں دور کے عکس نزدیک کے عکس پر جلا کرتے ہیں۔

میں چل رہا ہوں کہ چلنا ہی میری عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جاتا ہے

یہ احساسات وخیالات فراق گورکھپوری جیسے عظیم دانشور اور بڑے شاعر کے وسیم بریلوی کی شاعری کے بارے میں رہے۔

مجھ کو ماحول سے کٹ جانا نہیں آتا ہے
میں وہی کہتا ہوں جو مجھ سے یہ کہلاتا ہے

یہ بات سال دو سال یا چار سال کی نہیں بلکہ یہ واقعہ لگ بھگ چالیس سال پہلے کا ہے جب شہر سیتاپور میں (پورانے سیتاپور میں )ایک نامی گرامی تعلق دار شاعر فطرت آنجہانی کنور سورج نارائن صاحب ادب سیتاپوری ہوا کرتے تھے۔ ادب صاحب سال بہ سال رام لیلا کے جشن کا مشاعرہ بڑی دھوم دھام سے کیا کرتے تھے۔ ادب کے دم سے پرانے سیتاپور میں ادبی چہل پہل خوب رہتی تھی طرحی وغیر طرحی مشاعرے آئے دن موصوف کی کوٹھی میں ہوا کرتے ہیں کنور صاحب فی البدیہہ مشاعرہ کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا کرتے تھے۔ سالانہ مشاعرہ کی تقریب میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مترنم شاعروں کے نام دعوت نامے جاری کیا کرتے تھے۔ انھیں دنوں بشیر بدر بھی سیتاپور میں محکمہ PAC میں ملازم تھے۔ وہ کنور ادب صاحب کے بہت منہ لگے تھے۔ اسی سالانہ مشاعرے میں میں نے پہلی بار وسیم بریلوی اور انور چغتائی کو دیکھا اور سنا۔ وسیم کی ریکھیں نمودار ہو رہی تھیں جنھیں ہم آپ جوانی کا سبزہ کہتے ہیں۔ وسیم بہت گورے لمبے تڑنگے سر پر گھنیرے گھنیرے بکھرے بکھرے بال پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں تو کبھی کا کلیں

شانوں پر کھیل رہی ہیں جب وسیم غزل پڑھتے ہیں تو ان کے رخ و عارض کی سرخی مزید ہو جاتی ہے۔ یہ منظر خوشگوار ہر سامع کو متاثر کرتا ہے غزل پڑھتے وقت یہ خود سے بیگانہ ہو جاتے ہیں یعنی ڈوب کر غزل سرائی کرتے ان کے ہیں اور جس موڈ میں شعر تخلیق کرتے ہیں عین اسی کے مطابق اس کی تصویر نظر آتے ہیں۔ میں نے اسی انداز میں اسی طرح مرحوم فنا نظامی کو غزل پڑھتے دیکھا ہے یعنی اسے عالم استغراق کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ وسیم کو اپنی تمام غزلیں بخوبی ازبر ہیں ہر غزل میں دو ایک شعر بڑے چوٹیلے نکال لیتے ہیں جو سامع کے دلوں میں درد و کسک پیدا کرتے ہیں۔

میں بلا مبالغہ عرض کروں وسیم کی غزل اور غزل خوانی سامعین کو آبدیدہ کر دیتی ہے یعنی کہ وسیم کے کلام میں سوز و گداز غنائیت کشش سب کچھ ہے۔ اس زمانے میں بھی وسیم کی جمالیاتی غزلیں ڈاکٹر بشیر بدر کی غزلوں سے مجھے اچھی لگتی تھیں۔ وسیم غزل سرائی کے بارے میں نہ تب ادا کاری دکھاتے تھے نہ آج دکھاتے ہیں۔ غزل کے ساتھ ان کا جو خلوص سادہ پن کل تھا وہی بے ساختگی آج بھی موصوف کی غزلوں میں موجود ہے بقول ڈاکٹر محمد حسن وسیم بریلوی کے مزاج کی پہچان سے وارفتگی اور وابستگی پیدا ہوتی ہے۔ عرفان غم سے متاثر ہو کر وسیم شعر کہتے ہیں تو ڈوب کر اور لفظوں کو برتتے ہیں تو ترنم اور روانی کے پیش نظر اسلئے ان کی شاعری تغزل کا لہجہ اختیار کرتی ہے جو ان کی ذات اور زمانہ دونوں سے پیوست ہے۔ وہ روایت سے منحرف ہیں نہ منکر اپنے ذاتی تجربات و احساسات کے لئے جب روایتی سانچوں کو ناکام پاتے ہیں تو ان کی توسیع بھی کرتے ہیں اور ان میں مناسب اضافے بھی اور اس راہ میں ان کی وارفتگی ہی ان کی رہنما ہے۔ بیشک وسیم کے شعر تہہ دار ہیں اور ان کی تشریحیں مختلف طرز میں کی جاسکتی ہیں۔ غزل کے رمز اور ایما کو وسیم اس انداز سے برتتے ہیں کہ ہر علامت چوکھی ہو جاتی ہے اور اس کی تعبیر مختلف انداز سے کی جاسکتی ہے۔

بڑی بات یہی ہے غزل کا شعر غم کے سہارے نئی بصیرتوں تک رسائی کرتا ہے۔

جو مجھ میں تجھ میں چلا آرہا ہے صدیوں سے
کہیں حیات اسی فاصلے کا نام نہ ہو

بحوالہ شعری مجموعہ (آنکھوں آنکھوں رہے۔ اپریل 2007)

ڈاکٹر محمد حسن نے وسیم صاحب کے لیے 2007ء میں جو کچھ ان کی شاعرانہ وجاہتوں کے بارے میں رقم فرمایا ہے اسے میں اپریل 2001 میں تفصیل سے ''امکان'' لکھنؤ میں شائع کرا چکا ہوں آج کے مشاعروں کے بے تاج بادشاہ وسیم بریلوی کا شعر ؂

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

وسیم کے اس شعر میں چوکھاپن یا ضم ہے جسے میں آج تک سمجھنے میں ناکام ہوں کیونکہ لفظ چراغ بڑا تہہ دار ہے وہ یوں کہ شاعر بھی اپنے معاشرے اپنے تہذیب وتمدن اپنے ماحول اپنے بزرگوں کی میراث ہوتا ہے تو جہاں بھی جائے گا اس کے علم وحکمت کے اثرات وہاں شدت سے محسوس کئے جائیں گے جگر جیسے شاعر گونڈہ میں رہیں یا اصغر جیسے شاعر مرادآباد میں جا کر مقیم ہو جائیں ادب پر مقامات کے ردو بدل کا کبھی کوئی اثر نہیں پڑا ہے عرفی اور حافظ ہند میں رہیں غالبؔ اور میرؔ ایران میں رہیں مگر ان کی آفاقیت جہاں بھی رہے گی پرنور رہے گی۔ شاید وسیم نے اپنے اسی احساس وخیال کو شعری پیمانے میں ڈھالا ہے اور جس مشاعرے میں وسیم یہ شعر پڑھتے ہیں اپنے سامعین سے بھرپور داد وصول لیتے ہیں۔ منفرد ومتعدد شعر سنا کر وسیم مشاعروں میں اپنا لوہا منواتے ہیں۔ میں موصوف سے جب ایسے شعر سنتا ہوں تو بیساختہ منہ سے واہ نکل جاتی ہے مگر یہ عجب مسئلہ ہے اگر خلوت میں ایسے شعر کا دوبارہ تجزیہ کیا تو وہ سپاٹ نکلا پھر میں حیرت واستعجاب میں کھو گیا کوئی بھی اچھا شعر ہو جب اس کی تہہ داری کی کھوج بین ہوگی تو وہ اپنا رنگ جیسے سورج کی روشنی میں ہیرا بدلتا ہے عین اسی کے مطابق شعر بھی اپنا رنگ بدلتا نظر آئے گا (از ڈاکٹر اختر بستوی) اور ہماری سوچ وفکر میں شدید ترین اضافہ کرے گا۔ وسیم کے اس اکلوتے شعر نے میرے ساتھ یہی سلوک کیا۔ پہلے خیال گذرا تصوف ہوگا مگر لفظ ''چراغ'' کی آفافیت نے حضرت امیر خسروؒ کے درِ اقدس پر پہونچا دیا جہاں حضرت فرماتے ہیں۔

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسروؔ
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

مشاعروں میں وسیم کو سننے کے لیے سامعین ساری ساری رات بیٹھ کر گزار دیتے ہیں جس کا

راز یہ ہے کہ غزلوں میں جمالیاتی پہلو، حسن تغزل، نغمگی، عاشق کی آہ وزاریاں، گداز، کرب، ہجرو وصال، کیف آور گوشے سننے میں آئے ہیں۔ اور سامعین کو تڑپاتے ہیں ماہی بے آب بناتے ہیں۔غزل کی شاعری میں وجدان، کیفیت، سرمستی پیدا کرنے اور دلوں کو چھوجانے والے، روح وتن کو مہکانے والے شیریں الفاظ اور انداز بیاں روح غزل ہے۔

9 ستمبر جشن جگر یا جگرڈے کے مشاعرے میں شرکت کی غرض سے وسیم بریلوی گونڈہ تشریف لائے ساتھ میں بیکل اتساہی صاحب بھی تھے۔رام پور، دہلی مرادآباد، بہرائچ، بستی کے شعرا کرام نے بھی اس مبارک موقعہ پر تعاون دیا۔مشاعرہ بڑا معیاری ہوا بیکل صاحب مشاعرے سے سیدھے گونڈہ پہونچے تھے یہ مشاعرہ 10 ستمبر میں ہوا9 ستمبر کو بہت سے شاعر مرادآباد کے مشاعرے میں تھے اور وہیں سے منتخب شعرا گونڈہ پہونچے۔اجمیر اور مرادآباد کی تکان کے سبب بیکل اتساہی اول ہی میں ایک عمدہ تقریر برائے جگر مرادی فرما کر میری فرمائش پر اپنی اک غزل سنا کر گیسٹ ہاؤس میں آرام کرنے چلے گئے نوجوان ابھرتے ہوئے شاعروں نے اپنی غزلوں میں عصر حاضر کی نئی شاعری کے حوالے سے بقول شخصے مشاعرہ لوٹ لیا۔ بہت معرکتہ الآراشعر پڑھ کر مشاعرے کے وقار میں اضافہ کیاماحول سوفیصد شاعرانہ ہو گیا۔آخر میں ناظم مشاعرہ نے حضرت وسیم بریلوی کو زحمت سخن دی تو پوری محفل میں ہاہا کار مچ گئی۔کمشنر ڈی این آر یا صدر مشاعرہ نے اٹھ کر وسیم بریلوی کا بصد خلوص احترام واستقبال کیا وسیم صاحب نے اظہار مسرت کے بہترین جملوں سے سامعین ومنتظمین مشاعرہ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا میرے والد مرحوم حضرت نسیم صاحب (تعلقدار) مرادآبادی سے حضرت جگر کا یارانہ تھا جب ہم لوگ حال کسمپرسی کے شکار ہو گئے تو محلہ کٹ کوئیاں رام پور میں آ کر بس گئے حضرت جگران دنوں رام پور پیلس میں نواب صاحب کے مہمان تھے۔ میرے والد صاحب جگر صاحب سے ملنے گئے تو جگر صاحب میرے والد صاحب کے ہمراہ میرے گھر تشریف لائے پورا محلہ حیرت زدہ ہو گیا میرے والد نے جگر صاحب سے کہا یہ میرے بیٹے میاں زاہد ہیں شعر کہنے کا بہت شوق ہے تو جگر صاحب نے مجھ سے پوچھا میاں زاہد تخلص کیا رکھا ہے میں نے بصد ادب عرض کیا ''وسیم'' پھر جگر صاحب میرا سر سہلاتے ہوئے بولے لکھنے پڑھنے پر زیادہ توجہ دینا ابھی شاعری کرنا تمہارے لئے مناسب نہیں

ہے جگر مرادآبادی صاحب سے میری یہی ملاقات اول وآخر ہے اس کے بعد میں حضرت جگر سے کبھی نہیں ملا۔

اور پھر گونڈہ جگر آئے اور مشاعرے میں ایک ایسی غزل چھیڑی کہ مطلع سن کر پوری محفل پر وجد کا عالم طاری ہو گیا

تری آرزو بہت ہے ترا انتظار کم ہے
یہ وہ حادثہ ہے جس پر مرا اختیار کم ہے

وقت فجر تک ایسی عمدہ عمدہ جمالیاتی غزلیں بھرپور آواز میں سناتے رہے کہ سامعین مشاعرہ جیسے شمع کی لو پر پروانے رقص کرتے ہیں۔ وسیم صاحب پر نثار ہوئے جارہے تھے اور وسیم بھی دنیا ومافیہا سے بے نیاز اپنی غزل سرائی میں گم تھے، ایک نہیں چھ سات غزلیں پڑھیں پھر نوجوان طبقہ فرمائش کرنے لگا وسیم بھائی گیت بھی ہوجائے تب ڈاکٹر جاوید نسیمی نے میرے کان میں پھس سے کہا قمر صاحب وسیم کل رات مرادآباد میں تھے صبح 4 بجے گونڈہ کے لیے چل پڑے ساری رات سارا دن ہم چلے ہیں اللہ واسطے اب وسیم پر ظلم نہ کیجئے ورنہ صبح واپسی نہ ہو پائے گی تب ڈی این آر یہ نے زبردستی سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر دیا مگر نوجوان طبقہ کہاں ماننے والا تھا وہ سب یکبارگی مشاعرہ اسٹیج پر آدھمکے اور وسیم صاحب کے ساتھ فوٹو اتروانے کے لیے بضد ہو گئے۔ اس تاریخی مشاعرے کو میں الجھنوں اور حد سے زیادہ کام کے بوجھ کے سبب Tape نہ کرو اس کا جس کی شکایت جب تب وسیم صاحب مجھ سے کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں میری شاعرانہ زندگی کی یہ رات مجھے کبھی نہیں بھولے گی لہٰذا وسیم صاحب کے دلی جذبات کے احترام میں میں نے 10 ستمبر 2003 کے مشاعرے کی آنکھوں دیکھی رپورٹ ''یوم جگر''، ''تحقیق وسیم'' میں قلمبند کر دی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ برسوں بعد گونڈہ میں ایک یادگار مشاعرہ ہوا جسے یہاں کے عوام ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

23 فروری 2007 صدر جگر کالج ڈاکٹر صادر اینڈ کمپنی نے جگر کالج میں ایک مشاعرہ منعقد کیا جس میں ملک کے تمام بڑے شعرا کا ذکر کیا گیا مگر میرے مشاعرے کے مقابلہ میں یہ مشاعرہ اس قدر ناکام ثابت ہوا کہ شہر بھر میں تھوتھو ہو گئی

10 ستمبر 2003 کے مشاعرے میں وسیم صاحب نے نذرانہ یا معاوضہ لینے کی بات تو الگ رہی ریل کرایا بھی نہیں لیا اہل گونڈہ کی نظر میں وسیم بریلوی کی قدر و قیمت آج بھی بہت ہے لگے ہاتھوں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ عصر حاضر میں جہاں اردو سمجھی جاتی ہے پڑھی جاتی ہے بولی جاتی ہے وہ کونسا ملک، کونسا صوبہ، کونسا ضلع، کونسا قصبہ، کونسی تحصیل، کونسا محلہ، کونسا TV، کونسا ریڈیو ہے جو وسیم بریلوی سے ناواقف ہو علاوہ وسیم صاحب کے اردو تنقید و تبصرہ نگاروں میں اول نام جو ساری اردو دنیا میں لیا جاتا ہے وہ ہیں شمس الرحمن فاروقی جنکی عزت غزل کے بڑے شاعر مجروح سلطان پوری حد سے زیادہ کرتے تھے مگر یہ بھی کہتے تھے ''بہت ضدی ہیں'' تو مجروح بھائی کی اس طرح کی سوچ میں شمس الرحمن فاروقی کے علم وفن کا اعتراف بھی ہے اور تھوڑا بہت فاروقی صاحب کا موصوف کے دل و دماغ پر خوف بھی تاری نظر آتا ہے مگر یہ مجروح صاحب کا وہم تھا شمس الرحمن فاروقی صاحب بہت کٹر قسم کے ناقد علم وفن سہی مگر وہ بزرگوں میں مجروح صاحب کی اسی طرح عزت کرتے تھے جیسے وہ جگر، اصغر، فانی وغیرہ کی کرتے ہیں جبکہ فاروقی صاحب نے جوش ملیح آبادی اور کیفی اعظمی جیسے بڑے شاعروں کو کبھی بڑا شاعر نہیں مانا یہی حال پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کا ہے فرق محض دونوں میں اتنا ہے فاروقی صاحب جس کے بارے میں جو خیال قائم کرتے ہیں اسے تحریر میں بھی لاتے ہیں اور زبانی بھی کہہ دیتے ہیں مگر ملک زادہ زبانی کچھ نہیں کہتے بلکہ چپکے سے کسی اپنی کتاب میں چپک دیتے ہیں یقین نہ آئے تو ''رقص شرر'' پڑھ لیجئے۔ مگر ان دونوں عالمی شہرت یافتہ رائٹر بڑے رائٹر ضرور ہیں مگر ایسے لوگ شعر تخلیق کرنے میں بے حد کمزور نظر آئے اسی لئے حضرت جگر مراد آبادی ایک بار ایک گفتگو کے دوران شاید پروفیسر رشید احمد صدیقی یا مجنوں گورکھپوری سے اپنے کمرے میں جھلا کر تیز آواز میں کہہ آٹھے'' صاحب شاعر کی منزل آٹھویں ہے اور آپ ساتویں منزل میں ہیں'' تسکین صاحب قریشی جگر صاحب ریمارک پر مسکرا کر کمرے سے باہر چلے گئے اور باورچی سے کہکر گرما گرم چائے کاٹرے بھیجوا دیا یہ بھی میں بالکل صحیح عرض کر رہا ہوں وسیم صاحب بھی فاروقی صاحب سے بہت زیادہ خوش نہیں رہتے کاش مجھے وسیم نے پہلے یہ شعر سنایا ہوتا تو میں رشید احمد صدیقی اور مجنوں کی بحث کے دوران یہ شعر بزرگوں کو سنا کر اپنا قد بڑا کر لیتا

ـــ

سوچنے سے کوئی راہ ملتی نہیں
چل دئے ہیں تو رستے نکلنے لگے

وہ فاروقی ہوں یا رشید صدیقی ہوں یا مجنوں گورکھپوری یا پروفیسر کرمانی ہوں، یا محمد حسن ہوں یا گوپی چند نارنگ ہوں یہ لوگ جب رائٹنگ ٹیبل پر آتے ہیں اور اپنی سوچوں کو ربر کی طرح کھینچ کھینچ کر بڑھاتے ہیں کسی کے قد کو کم کرتے ہیں کسی کو بانس پر چڑھاتے ہیں تو ان حضرات کے قلب میں تنقید وتبصروں کی ایک دبیز قسم کی گرد بیٹھ جاتی ہے تب یہ لوگ شاعروں سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے مگر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن ناقدین علم وفن کا میں نے نام لیا ہے میرے ہم قوم وسیم نے جیسا صاف شفاف اور عزم ویقین کا دامن تھام کر شعر کہا ہے کہہ سکتے ہیں! ایسی باتیں قلندر صفت شاعر ہی کہتے آئے ہیں اور کہتے رہیں گے اور راتوں دن سوچنے والے سوچتے رہیں گے مگر شاعری کے نام پر ان کے پلے کچھ نہیں پڑے گا وسیم کی غزل میں شعر پڑھ کر میرا جی بھر آیا اما، عاشق ہو تو ایسا ہو ۔

میں تو کھویا رہونگا ترے پیار میں
تو ہی کہہ دنیا جب تو بدلنے لگے

تو میاں یہ کان کھول کر سن لو ہم سچے عاشق اپنی واہ سے بھٹکنے والے نہیں ہاں تمہارا مجھ سے جی بھر جائے تو مجھے مطلع کر دینا وسیم بریلوی کاش جگر صاحب کو یہ شعر سناتے تو جگر صاحب سے داد پاتے میں وسیم کے اس انوکھے حقیقت آمیز شعر کی کیا داد دوں بس دل سے دعا نکل رہی ہے ''جیو میرے شیر جیو شاباش شاباش''، لیکن بقول وسیم ۔

دشمنِ تہذیب مشرق اور کیا چاہے گا تو
ہم نے ٹی وی کو کھلا وقت اذاں رہنے دیا

اخلاقیات اور درس آمیز یہ شعر مجھے ''آنکھ ہوئی آنسو'' میں ملا ہے تو مجھے عرب تا ہند وپاک مسلمانوں کے بگڑتے عقیدے اور حدیث وقرآن سے کم تعلق رکھنے کی بات یاد آئی اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے اور جس نے ہمیں یہ شعر کہہ کر چونکایا ہے اس کو اجر عظیم سے نوازے میری یہ عادت پرانی ہے کہ میں ایک میں زبردستی کئی باتیں شامل کر دیتا ہوں میں آپ کو

حضرت امیر خسروؒ کا شعر سنا رہا تھا مگر درمیان میں بھٹک کر کہاں سے کہاں پہنچ گیا اللہ جانے میرا یہ سڑی پن کب ختم ہوگا خیر، تو عرض ہے اس لامتناہی شعر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا بدن میں جھرجھری سی آ گئی شاید یا ممکنات میں سے ہو وسیم نے جب اپنا یہ شعر تخلیق کیا ہو تو ان کے ذہن رسا میں حضرت امیر خسرو جیسے عظیم بابرکت تخیل نے انگڑائی لی ہو اور اس شاعر پاکباز سے اللہ نے یہ شعر تخلیق کرا لیا ہو، اگر میرا یہ خیال یہ تبصرہ درست ہے تو میاں وسیم بریلوی صد لائق تعظیم و افتخار ہیں۔

وسیم صاحب بہت پاکباز عمل و کردار کا پیکر ہیں وہ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر ہوتے ہوئے بھی ہوش و حزم سے بیگانہ نہیں، انھیں ہر گھڑی اچھے اور برے کی تمیز رہتی ہے موصوف نے اول دن سے اپنی منفرد سوچ اور فکر کی جم کر شاعری کی ہے مگر دوران تعلیم انھوں نے شاعری کو تعلیم کی رکاوٹ نہیں بننے دیا، نیز گھریلو ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھائیں اور اپنی شاعرانہ زندگی کے حسین لمحوں کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے عمدہ، معیاری اور بامقصد شعروں کی تخلیق کی جیسے وہ اس راز سے واقف تھے کہ آج کی شاعری بقول غالب ''بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے'' سے زندگی کے تقاضے پورے نہیں کئے جاسکتے اسی سبب وسیم کی تصنیف شدہ متعدد کتابیں جن کے اشعار پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے وسیم کو اپنی ہر ذمہ داری کا شدید احساس اور لحاظ و پاس ہے کبھی کبھی وہ دنیاوی جھمیلوں سے نجات پانے کے لیے اپنے محبوب سے التجا کرتے ہیں۔

میں نے مدت سے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے
ہاتھ رکھ دے مری آنکھوں پہ کہ نیند آجائے

شائقین مشاعرہ مشاعروں میں وسیم کو سننے کے لیے بیتاب رہتے ہیں اور اس کا اچھا اثر بھی دیکھا ہے لیکن جب وسیم غزل سرا ہوتے ہیں تو شعر و شباب وحسن کا دریا بہادیتے ہیں۔

یہی بزم عیش ہوگی یہی دور جام ہوگا
مگر آج کا تصور یہاں کل حرام ہوگا

تو وسیم اپنے شعر کے ذریعہ اپنے قاری کو آنے والے کل کی اطلاع دیتے ہیں مگر شاعری کے فن کو ہاتھوں سے نہیں جانے دیتے۔ یہ ہر ایک بڑے شاعر کے فن کا کمال ہے اور اسی شعری لب ولہجہ میں یہ بھی بتاتے ہیں آج کا عیش آج کا دور جام میں گم ہو کر کل کی فکر نہ رہی تو یہ سرمستی یہ

خوش حالی کل ہمارے لئے حرام ہو جائے گی لہٰذا غفلت سے باز آئیں اس درس میں دنیا اور عقبی دونوں کے اشارے ملتے ہیں۔

ساتھ اس شہر کے صدیوں کی تن آسانی ہے
درس تحریک دے اے کارجہاں اور کہیں

اس شعر میں اقبالؒ کا مزاج شامل ہے ممکن ہے وسیم نے اقبالیات کا مطالعہ اپنی طالب علمی میں کیا ہو لہٰذا اسی لب ولہجہ میں کارجہاں سے مخاطب ہو کر بھر پور طنز کرتے ہوئے کہہ اٹھے درس تحریک (حیات) جہاں صدیوں کے آرام وعیش میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو نہ دے، یہ خواب غفلت سے جاگنے والے نہیں تو یہ نیک کام کہیں اور جا کے انجام دے

بریلی (روہیل کھنڈ) میں مدتوں حافظ رحمت خان صاحب کی حکومت کا بول بالا رہا لہٰذا آج بھی بریلی کے مسلمانوں اور دیگر عوام میں شاہی وقت کی اکڑ اور عیش پرستی کا مزاج ہو میرا خیال ہے وسیم نے اسی ماحول سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا ہو لیکن اس شعر میں اس قدر آفاقیت ہے کہ آج ساری دنیا کی مسلم حکومتوں پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

وسیم کس نے کہا تھا یوں غزل کہہ کر
یہ پھول جیسی زمین آنسوؤں سے تر کر دے

یوں غزل کہہ کر" کا ٹکڑا اس بات کی طرف دھیان موڑتا ہے کہ وسیم کے دل میں شدت کرب بہت ہے لہٰذا اس کرب کا مزہ لوٹنے کی خاطر انھوں نے ایک کرب آمیز غزل کہہ کر جی بھر کے روئے اور اپنے پھول سے نازک بدن کو آنسوؤں سے تر کیا وسیم بھی فانی بدایونی کی طرح زندگی کے ہر غم میں زندگی کا حسن تلاش کرتے ہیں اور غم ہی کے پس پشت انھیں فانی بدایونی والی خوشیاں بھی حاصل ہیں سچ تو یہی ہے بقول جگر مرادآبادی ؎

دل گیا رونق حیات گئی
غم گیا ساری کائنات گئی

لذتِ غم کا احساس ہی وہ بلائے بے درماں ہے جو شاعری کا اصل جوہر ہے ذرا یہ بھی شوخیٔ شاعری ملاحظہ کیجئے ؎

رات بھر جھیل کی گود میں سو کے بھی
صبح کو چاند کیوں پیاسا پیاسا لگے

جھیل میں ساری رات چاند (سوکر) بمعنی پانی میں چاند کا عکس مگر جھیل میں اتر کر بھی چاند کی تشنگی بدستور ہے یعنی عشق رات بھر محبوب کا خواب دیکھتا رہا محبوب کے تخیل میں گم وصل کے ارماں کے نشتر کی مسیحائی نہ ہوسکی اس شعر میں جھیل، چاند، تشنگی، گود جیسے الفاظ کا صحیح ڈھنگ سے استعمال ہی شانِ شاعری ہے اور فن کو فروغ حاصل ہوتا ہے صنائع اور بدائع جس کے سبب شعر کی لذت سامع اور شاعر دونوں کو حاصل ہوتے ہیں

دل کو سمجھاؤ کہ بے کار پریشاں ہے وسیم
اپنی من مانی اسے کوئی نہ کرنے دے گا

یہاں بھی وسیم کی شرافت نفس نے انھیں اصولوں میں باندھ رکھا ہے جب کہ دل بضد ہے پیو کھاؤ اور ہر غم سے آزاد ہو جاؤ وہ یہ سب چاہتے ہوئے اپنی شرافتوں کے ثبوت دے رہے ہیں اپنی من مانی یہ دنیا نہیں کرنے دے گی یہ ہے ذات وسیم۔ (معذرت خواہ ہوں کہ شعر کا دوسرا مصرع وقت کی ضرورت کے مطابق ڈھال لیا)۔

شعور غم کی برکتوں سے وسیم ناامید نہیں انھیں پتہ ہے تہذیبی تسلسل کا

ایک تہذیبی تسلسل سے ہے قائم زندگی
پیڑ سے پتہ لگ ہوگا تو کیا رہ جائے گا

حسن زندگی میں وحدت ہے محبت ہے شرافت نفس ہے اور بکھراؤ میں نفرت ہے جہالت ہے بغض ہے عداوت ہے لہٰذا شریعت اخلاق کا پہلا اصول ہے کہ مل جل کر رہو اور ایک رسی کو تھامے رہو۔

وسیم کا یہ شعر جب بھی میں دہراتا ہوں تو خود کو اس شعر کے پیمانے میں ڈھلا ہوا پایا مگر ہائے رے ناقدری زمانہ

مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

کوئی کہے ایشور کوئی کہے رام کوئی کہے رحیم کوئی کہے پرمیشور صرف ایک خدا کی عبادت کرنے والے دنیا میں لاکھوں کروڑوں میں مگر اس چراغ یا خورشید کی روشنی کو تقسیم کرنے والوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر دنیا میں اللہ کے نام پر طوفان بپا کر رکھا ہے دوا کر راہی نے بھی اس طرح کی بدنظمی سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس پُر فریب دنیا میں
خدا کے نام پہ کس کس کا احترام کریں

قربان جانے اس خوش شگفتگی کے وہ اسے روشن چراغ کہتے ہیں پھر بھی امتیاز کی خلیج پیدا کرتے ہیں، اس ایک سوال کو حل کرنے میں صدیاں بھی لگ سکتی ہیں مگر یہی محبت بھرا سوال صدیوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کرسکتا ہے، شرط بس اتنی ہے کہ وسیم جیسی گداز، وسیم جیسی حسین، جمیل فکر وسیم جیسا قلب وجگر والا ہو بقول مجروح صاحب

ع۔ ترا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

وسیم بریلوی کے 5 عدد شعری مجموعے میرے روبرو ہیں

(1) آنکھ آنسو ہوئی۔ (اگست 2000)

(2) میرا کیا (ستمبر 2000 ہندی میں)

(3) آنکھوں آنکھوں رہے۔ (اپریل 2007)

(4) میرا کیا (اپریل 2007) اردو

(5) موسم اندر باہر (جون 2007) لمحے لمحے سہ ماہی 1997 خصوصی نمبر وسیم بریلوی کے نام بھی ہمارے سامنے ہے۔

موصوف شاعرانہ زندگی پر اور کئی نمبر چھپے ہیں جنھیں میں نے ابھی پڑھا نہیں ہے جو میرے مطالعہ میں آتے ہیں ان نمبروں میں متعدد بڑے اچھے معیاری درجنوں نقاد علم وادب نے وسیم کی شاعری پر نقد وتبصرے قلم بند کئے ہیں۔ اس گڑبڑ جھالے میں کیا لکھوں کیونکہ اس میں چند مضامین واقعی بہت بھاری بھرکم ہیں چند یونہی سے ہیں چند خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو گئے ہیں مگر فراق گورکھپوری جیسے ناقد فن کو پڑھ کر میرے حوصلوں میں چار چاند لگ گئے دوسرے وسیم

صاحب خود ایک منجھے ہوئے غزل گو ہیں زندگی کے ہر مسئلے کو شعری قالب میں ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں ایک عمر کا پختہ تجربہ رکھتے ہیں ملازمت پیریڈ میں لکچرار کے عہدہ پر فائز رہے لہٰذا معزز بھی ہیں میں نے انھیں ایک ہی موضوع پر گھنٹوں بولتے دیکھا ہے مگر ڈاکٹر بشیر بدر کو بھی لکچر دینے کا بہت شوق ہے اور اسی نالائق شوق نے ان کا ادبی بیڑا غرق کر دیا۔ وسیم صاحب کو پڑھنے پڑھانے کا بنیادی ذوق وشوق ہمیشہ رہا مطالعہ بھی وسیع ہے وہ نثر بھی یوں لکھتے ہیں کہ پڑھئے تو لگتا ہے ہم کوئی عمدہ جمالیاتی غزل پڑھ رہے ہیں موصوف کے کئی خطوط میرے پاس ہیں میں عرض کروں نثری کام میں بھی بلا کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

میرا ہونہار بھتیجہ جگر صاحب کا چہیتا جگر کالج کا سب سے سینئر وسیم کو بڑا شاعر ماننے والا اور وسیم کا دوست شہر گونڈہ کا دانشور۔ عرفی، حافظؔ، میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ، اصغرؔ، جگرؔ کے اشعار کا پرستار رضی الدین خاں یوسف زئی کے انتقال پر وسیم صاحب نے ہمیں جو تعزیتی خط لکھا تھا اور جس انداز میں رضی کے علم ودانش پر تبصر کرتے ہوئے اظہار غم کیا تھا وہ خط پڑھ کر سارے گھر کے لوگ چیخ مار مار کر رونے لگے اور صف ماتم بچھ گئی۔ احباب کے بھی تعزیتی خطوط آئے مگر وسیم کی تحریر کے کیا کہنے اس تعزیتی ادبی خط مان کر ''آئینۂ حالات'' بجنور میں چھپا دیا۔

ایک بار کا ذکر ہے میں وسیم بریلوی کا اک انٹرویو صاف کر کے اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجنے والا تھا اتفاق سے رضی کی نظر میری تحریر پر پڑ گئی کاغذ میرے ہاتھ سے لیکر پڑھنے لگا تو جھلا کر بولا آپ جو لکھ رہے ہیں شاید اشاعت کے لیے مت بھیجئے گا پہلے وسیم سے پوچھ لیجئے غالب کا شعر یوں نہیں یوں ہے اور اس کی تشریح وسیم صاحب نے اسطرح کی ہوگی مجھے یہ درس دے کر کمرے میں گھس گیا اور TV پر کرکیٹ میچ دیکھنے لگا۔ مغرب بعد میں نے اسے پھر کریدا تو جھلا کر بولا آپ جلد باز آدمی ٹھہرے مجھے ڈر ہے بغیر وسیم صاحب سے مشورہ کئے آپ شائع نہ کرا دیں۔ میں بھی خوف زدہ ہو گیا کچھ دنوں بعد وسیم صاحب سے ملنے بریلی گیا اور ان سے اس انٹرویو جس میں موصوف نے غالب کے شعر کے حوالے سے بات کی تھی میری تحریر اس کے بالکل برعکس نکلی تو میں نے وسیم سے کہا اسے لکھ دیجئے انھوں نے ازسرِ نو وہی بات لکھی جو رضی مجھ سے کہہ رہا تھا وسیم صاحب کی وہ تحریر بحوالہ غالب میں آپ کو پیش کروں گا، بڑا دلچسپ موضوع ہے۔

وسیم کی نثر بھی بڑی تہہ دار ہوتی ہے بالکل میرے دیرینہ دوست ڈاکٹر آزاد قاسمی (ٹونک) کی طرح وسیم کا ہر مضمون فکر وفن کا آئینہ ہوتا ہے انھوں نے مشاعروں کی بائیوگرافی جیسے تحریر کی ہے اسے پڑھئے تو لگتا ہے ہم سچ مچ مشاعرہ گاہ میں مشاعرہ سن رہے ہیں، وسیم کوئی اپنے ماضی سے بڑا پیار ہے وہ جو کچھ بھی اپنی زندگی میں پیچھے چھوڑ آئے ہیں اسے اپنی زندگی کی یاد گار سمجھتے ہیں مجھے خوبیاں ہیں ڈاکٹر اختر بستوی میرے گھر ٹھہرے تھے کھانے کے بعد بولے تم کو ئی رسالہ دو اور تم بھی جا کر آرام کرو اور مجھے بھی آرام کی ضرورت ہے میں نے ''لمحے لمحے'' دے دیا تھوڑی دیر بعد ظہر میں شرکت کرنے نکلا تو دیکھا ڈاکٹر اختر بستوی ''لمحے لمحے'' میں یوں گم ہیں کہ موصوف کو میرے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی بعد میں مجھ سے کہنے لگے وسیم تو اچھا شاعر ہے بھئی واللہ کیا خوب کہتا ہے کیا اچھی غزلیں لکھتا ہے میں نے مذاقاً کہا آپ اور فاروقی اپنے آگے کسی کو مانتے ہی نہیں تو کھی کھی ہنس کر چشمہ صاف کرنے لگے ایک بار ڈاکٹر آزاد قاسمی نے مجھے لکھا قمر صاحب غالباً میں نے وسیم صاحب کو جے پور یا دلّی میں سنا ہے اچھا شاعر ہے بہت اچھی غزل کہتا ہے میرے گھر سے لے کر میرے دانا اور فاضل احباب بھی وسیم صاحب کے علم وفن کا لوہا مانتے ہیں۔ ارے یہ کیا میں ملک سے باہر کے انٹرنیشنل دانشوروں کی رائے بھی جو وسیم صاحب کے بارے میں ہے آپ کے سامنے جلد پیش کروں گا عصر حاضر میں اور مشاعرے کے اسٹیج کے شعرا میں بحوالہ غزل وسیم بریلوی سے اچھا شاعر مجھے کوئی نہیں نظر آتا یوں تو چیخنے چلانے اداکاری دکھلا کر ہاتھ پیر چلا کر تالیاں بجا بجا کر بے سر تال کی لے میں گانے والے بہت نظر آتے ہیں اللہ عمر دراز کرے مراد آباد کا وہ بھی کیا عمدہ بھرپور غزلیں کہتا ہے ہاں تو عرض کروں وسیم نے مشاعروں کے حوالے سے بھولے بسرے یا ان شاعروں کو جواب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ایصال ثواب کیا ہے ''لمحے لمحے'' بدایوں میں، علاوہ اس کے کچھ شعرا کا کلام جو انھوں نے مشاعرے میں پڑھے من وعن تحریر کئے ہیں، اس دو آتشہ کام میں یہ راز بھی مضمر ہے وسیم کو اپنے یاروں سے کتنی محبت ہے وسیم نے یہ کام انجام دے کر اپنے بہت سے احباب کو ادب میں زندہ رکھنے کی قابل تعریف کوشش کی ہے۔ حضرت وسیم نے بحمد اللہ عمرہ بھی کیا ہے بوقت طواف کعبہ دیکھنے والے تحریر کرتے ہیں وسیم صاحب کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں انھیں کے ساتھ ایک مے

نوش شاعر بھی عمرہ جیسی بابرکت سنّت ادا کررہے تھے۔ اور انھوں نے اسی دن سے مے نوشی اپنے اوپر حرام کرلی خدا کرے وہ اپنے اس عہد پر قائم رہیں۔ وسیم صاحب اپنی خاندانی تاریخ یوں تحریر کرتے ہیں میرے پر دادا مرآباد کے سب سے بڑے جا گیر دار تھے ۳۸۴ گاؤں کے مالک تھے روایت ایک یہ بھی ہے اس زمانے میں ٹرین مراد آباد سے کاشی پور تک ان کی زمیندراری میں چلتی تھی میرے والد شاہد حسین نسیم مراد آبادی کو ورثہ منتقل ہوا مگر ان کی سادہ مزاجی اتنی بڑی جائداد کی بہت دن متحمل نہ ہو پائی۔ ان بگڑے حالات کو بہتر بنانے کی غرض سے ان کی شادی بریلی کے رئیس شیخ انتظام اللہ صاحب کی چھوٹی صاحب زادی یعنی میری والدہ مرحومہ رفیعہ بیگم سے کردی گئی اس خیال سے بھی کہ شیخ انتظام اللہ صاحب بڑے معاملہ فہم ہیں بڑے رسا قسم کے انسان ہیں شاید اپنے داماد کی گئی جائداد عدالتی کاروائیوں کے ذریعہ واپس دلا کر حقدار تک حق پہونچا سکیں اور نتیجہ یہ نکلا مجھ تک آتے آتے یہ پیمانہ خالی ہو گیا۔

وسیم صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا موصوف تعلق دار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ جنت مکانی جناب شاہد صاحب نسیم مراد آبادی اچھے اور کہنہ مشق شاعر تھے وسیم صاحب کو باپ کے ترکہ میں شاعری ملی، وسیم صاحب کی نیک نیتی، شرافت، خاندانی، وضعداری، خلوص، محبت، فیاضی، قدرت نے انھیں ان کی خاندانی وجاہتوں کے صدقہ میں عطا کی یا پا کباز ی، شعر گوئی، مہماں نوازی ملک غیر مما لک وغیرہ میں بھی پہچانے جاتے ہیں مگر ان تمام خصوصیات کے باوجود ان کے مزاج میں جو سادگی بانکپن نکھار ہے بے مثل ہے ۔

...مثلاً آتش نے نوابین اودھ کی مصاحبت میں رہ کر مصحفی جیسے بڑے شاعر کو نیچا دکھایا مگر آج کا دانشور مصحفی کو آتش سے بڑا شاعر مانتا ہے، یگانہ چنگیزی کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر دیا گیا مگر یگانہ کا شعر آج بھی بطور یادگار چنگیزی سبھوں کو یاد ہے

شمع کیا شمع کا اُجلا کیا
دن چڑھے سامنا کر لے کوئی

ستم بالائے ستم اصغر گونڈوی کا مذاق اڑایا گیا ان پر ہجو لکھی گئی ایک مدت تک آصف الدولہ کو پردے کے پیچھے رکھا گیا۔ مجروح صاحب کو آدھا علمی آدھا فلمی شاعر کہا گیا مگر آج

یگانہ، مجروح اصغر مصحفی ۔آصف الدولہ کا فن زندہ ہے اوران بڑوں کی ہنسی اڑانے والوں کا دور دور تک پتا نہیں۔

تاریخی واقعات جوش تحریر میں قلمبند نہیں کئے ہیں یہ تمام تاریخی واقعات ادب کی تاریخ میں من وعن محفوظ ہیں مگر سچی اور کھری شاعری کو نہ کل خطرہ تھا نہ آئندہ ہوسکتا ہے۔وسیم بریلوی بھی غزل کا بڑا شاعر ہے غزل ہی اس کا ذریعہ اظہار ہے وہ اپنی ہر بات غزل کے پیرائے میں آپ بیتی بنا کر جگ بیتی کے رنگ میں پیش کرتا ہے اس کا کرب اس کا ملال اس کے فن کی ۸ گیرائی وغزل کے بہترین شعر اس کے محبوب کے حوالے زندگی کی داستان ہیں اب وہ زندگیاں روحانی بھی ہیں خارجی بھی ہیں اشعار ملاحظہ کریں :

جسے محسوس کرنا چاہئے تھا
اسے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے

☆

جو مجھ میں تجھ میں چلا آرہا ہے صدیوں سے
کہیں حیات اسی فاصلے کا نام نہ ہو

☆

تعلق توڑ دولیکن مجھے اتنا تو بتلاؤ
پھر اس کے بعد دنیا میں مری پہچان کیا ہوگی

☆

مری حیات میں شاید وہ موڑ چھوٹ گئے
بغیر سمتوں کی راہیں جہاں نکلتی ہیں

☆

مجھے بجھا دے مرا درد مختصر کر دے
مگر دیے کی طرح مجھ کو معتبر کر دے

☆

میں چل رہا ہوں کہ چلنا ہی میری عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جاتا ہے

☆

ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے سے کیا حاصل
اداسیوں کی کوئی شہریت نہیں ہوتی

☆

ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے
وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا

میں نے حضرت وسیم بریلوی کے چند تہہ دار شعر سنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے شعر تو ہم آپ کہتے ہی رہتے ہیں کیونکہ یہ فطرت ثانیہ ہر شاعر کی ہے مگر سوال یہ ہے ان شعروں میں ادب برائے ادب کا تجربہ ملتا ہے یا برائے زندگی کا ہم شعروں کے حوالے ادب کو آگے بڑھانے میں تعاون کرر ہے ہیں اس کا جواب ہم یا وسیم کیا دیں گے بلکہ اس کا فیصلہ وقت خود کردے گا۔

حضرت وسیم کی شاعری جو موصوف کے دلی جذبات کی عکاسی کرتی ہے اس شاعری میں ہمیں وسیم کے یہاں تصوف ، معرفتِ الٰہیات کے موضوع کی شاعری زیادہ ملتی ہے میں حتی الامکان اسی کوشش میں ہوں اس شاعر کی جمالیاتی شاعری میں جو کیف وسرور کی آمیزش سے وہ خارجی سہی مگر یہ خارجی رشتہ زندگی کی کھائیوں کو پار کر کے کون سی منزل کی تلاش میں گم کردہ منزل ہے ، میں نے اصغر گونڈوی کی شاعری پر جگر مرادآبادی کی شاعری پر مجروح سلطان پوری کی شاعری پر کام کر کے اس کا تجربہ کیا ہے بڑی قسم کی شاعری کی اٹھان میں قلندریت مجذوبیت دنیا سے بیزاری اور ابدالیت ہوتی ہے اور اس کا آخر یہ ہوتا ہے کہ شاعر حافظ شیرازی ، میر ، غالب ، اصغر جگر کے جیسا سرمست نظر آنے لگتا ہے میرا یقین ہے میں وسیم کی شاعری کی کھوج میں اس منزل کی رسائی کرلوں گا جہاں آج مجھے وسیم ملگجے اور دھندے نظر آرہے ہیں کل یہی تصویر مجھے بہت صاف شفاف نظر آئے گی انشاء اللہ۔

ہمارے دور میں وسیم صاحب کی شاعری اور موصوف کی شخصیت پر اہل فکر ونظر نے بہت

لکھا ہے یہ نیک کام ہندوستان سے شروع ہونا ہے اور پاکستان دنیا کے ہر بڑے بڑے ملکوں جہاں کے لوگ اردو کے ماحول میں خود کو رکھنا پسند کرتے ہیں، انھیں وسیم بریلوی اور ان کی شاعری بہت اچھی لگتی ہے ایک وسیم ہی پر کیا موقوف یہ حضرات اردو کے ہر طالب کو چاہے وہ شاعر ہو یا ناقد وتبصرہ نگار اپنے یہاں سال بہ سال سبھوں کو بلا کر اپنا مہمان بناتے ہیں قیمتی تحفے تحائف نذر کرتے ہیں مشاعروں کی تقریب کرتے ہیں اپنے بال بچوں سمیت ہزار ہزار میل کا سفر طے کر کے مشاعرے سننے آتے ہیں۔جس سرزمین پر اردو کا جنم ہوا اردو اسی سرزمین پر تباہ ہوگئی مگر پرائے دیس والوں نے اسے اپنا لیا حالانکہ یہی حضرات امریکہ، کناڈا، مصر، عرب، عرب امارات، لندن وروس میں پہلے بھی تھے جب اصغر، جگر، اقبال، فانی وغیرہ حیات تھے تب دور دیس والے جیسے آج اردو کے بارے میں متحرک ہیں نہ تھے مگر آج جب اپنے ہی گھر میں اردو بے یار ومددگار ہوگئی تو اردو کے چہیتوں نے اردو کے سوپر اسٹار قسم کے نمائندوں کو بلا کر اس کا ثبوت دیا ہم اردو کی مسیحائی کرتے ہیں اپنے خون پسینے کی کمائی سے اردو کی اور اردو کے خادموں کی بھرپور خدمت کرتے ہیں 18 جنوری 2006 حضرت وسیم بریلوی کے اعزاز میں میرے ڈرائنگ روم کوچۂ جگر میں جو نشست ہوئی تھی وسیم صاحب کے علاوہ میرا بھیجتہ رضی مرحوم سعید اختر خلش ،فضل الباری (MLA) ظفر الباری، ڈاکٹر ذکریا، کمال نجمی، ڈاکٹر زین الدین قدوائی، ڈاکٹر عرفان باری، وسیم کی محبت میں نیم پاگل انساں (شمیم) اردوداں و دیگر شہر کے نوجوان طبقہ کی بھیڑ تھی ایک ایک کرسی پر بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں تین تین چار چار لدے بیٹھے تھے باقی وسیم کی محبت میں دست بستہ کھڑے تھے کچھ لڑکے اپنی مٹھیوں میں لگے پانوں کی بڑ بادئے تھے کچھ نے اپنی پڑیا وسیم صاحب کی میز پر رکھ دی تھی میرا دوسرا بھتیجہ جو اپنی ماروتی کار پر وسیم صاحب کو بصد شوق کے گونڈہ کے عظیم الشان گنارڈ ہوٹل میں تفریح کے بہانے چائے پلانے لے گیا تھا وہ بھی وسیم صاحب کے کوچ پر ان سے لگا بیٹھا تھا بلکہ آج وہ آفس بھی نہیں گیا اور صبح 9 بجے سے وسیم صاحب کی خدمتیں اپنی ماروتی لئے بس وسیم صاحب کے حکم کا منتظر ہے لیکن میں محسوس کر رہا تھا میرے بھتیجے میاں رومان پر وسیم کی نظرِ خاص برابر اٹھ رہی ہے اور اس کے بعد وسیم صاحب جب بھی میرے گھر تشریف لائے یا مشاعرے میں آئے تو ان کی خدمت میں رومان ہمیشہ حاضر خدمت رہا

اب تو وسیم صاحب جب بھی گونڈہ آتے ہیں تو خاص طور پر رومان کے خوبصورت فلیٹ پر چائے پینے کے بہانے ضرور جاتے ہیں اس بار وسیم رومان نے وسیم صاحب کے مزاج کے مطابق بعد نماز عشا ایک ایسا پروگرام مرتب کر دیا کہ میں سن کر حیران ہو گیا، وسیم رومان نے کہا وسیم بھائی مفتی و مولانا حضرت نعمت اللہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں حکم ہو تو میں مفتی صاحب کو فون کر کے مطلع کر دوں کہ وسیم صاحب میرے گھر پر موجود ہیں آپ تشریف لے آئیں۔ مگر واہ رے وسیم بریلوی کا اخلاق بولے وسیم میاں تم مجھے مولانا مفتی کے در دولت پر چلو میں ان سے ان کے گھر ملوں گا اور پھر وسیم کی ماروتی مولانا مفتی حضرت نعمت اللہ کے درِ دولت پر پہونچ گئی مولانا وسیم صاحب کے استقبال میں اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے نظر آئے مفتی صاحب مدظلہ تعالیٰ نے وسیم صاحب کا پر جوش استقبال کیا اردو دینیات اور آج کے مسلم معاشرے میں وسیم صاحب اور حضرت نعمت اللہ صاحب سے جو گفتگو ہوئی وہ ہندو پاک امارات عرب جدہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ امریکہ لندن کے مسلم کلچر اور معاشرے پر اسقدر جامع اور مستند ہوئی کہ اگر آج میں وہ تمام باتیں جس میں شعر و شاعری کی بھی چاشنی ہے لکھوں تو تقریباً ڈھائی تین سو صفحات کی کتاب مرتب ہو جائے مغرب سے رات ساڑھے دس بجے تک وسیم اور مولانا کی نیک اور صلاح کن اللہ رسول والی گفتگو جاری رہی پھر دیوانے شمیم پتا لگا کر یہاں ہانپتے کانپتے نازل ہو گئے اور بے حد پریشانی میں کہنے لگے وہاں مشاعرے کے پنڈال میں بیس پچیس ہزار سامعین کی بھیڑ لگی ہے منتظمین مشاعرہ حیران ہیں کہ وسیم کہاں غائب ہو گئے آپ جلدی سے چلئے وسیم نے گھڑی پر نظر ڈالی گیارہ بجے رہے تھے بولے میاں شمیم تم جاؤ میں حضرت سے باتیں کر رہا ہوں میں مشاعرے میں شرکت نہیں کروں گا یہ سن کر میرے پیروں کے نیچے سے زمین سرک گئی اور میں نے بوکھلا کے کہا یار وسیم تم یہ کیا کہہ رہے ہو یہ مشاعرہ میرے مخالفین نے ترتیب دیا ہے آپ نہ گئے تو میرا شہر میں نکلنا دشوار ہو جائیگا پھر مفتی صاحب نے رومان سے فرمایا وسیم صاحب کو فوراً مشاعرے میں پہنچا دو ورنہ قمر کے ساتھ میری بھی بدنامی ہوگی مگر وسیم صاحب بخدا مشاعرے میں جانے کو تیار نہ تھے اور ادھر مولانا مفتی دو ایک مولانا کے رفقا وسیم صاحب کو سمجھانے بجھانے میں لگے تھے پھر بولے حضرت آپ تشریف رکھیں کیونکہ مجھے چائے کی خواہش ہو رہی ہے مفتی صاحب اندر گئے اور خود ہی چائے

کاٹرے لائے وسیم صاحب کو چائے بنا کر پیالی ان کے ہاتھ میں تھمادی اور بڑی محبت سے کہنے لگے جناب آپ نے میرے گھر آنے کی تکلیف کی میں آپ کا مشکور ہوں اب مزید باتیں ہم آپ زندہ، ہیں تو پھر ہوں گی مگر آپ کا یہ فیصلہ مناسب نہیں کہ آپ مشاعرہ ٹال دیں عوام کا معاملہ ہے گونڈہ والے آپ کو بہت چاہتے ہیں جلدی چائے ختم کریں۔

وسیم صاحب رومان وسیم کے فلیٹ پہونچے تو وضو کر کے عشاء پڑھنے لگے پھر وظیفہ یہ وقت بارہ بجے رات کا تھا پھر کپڑے تبدیل کرنے میں وقت ضائع کیا جب گاڑی چلی تو بولے رومان تم گونارڈ ہوٹل سے ہو کر چلو مجھے اسی پان کی خواہش ہے جہاں تم نے مجھے پان کھلائے تھے اور میں سمجھ رہا تھا وسیم مشاعرے کو ٹال رہے ہیں میں نے عرض کیا گاڑی گونارڈ نہیں جائے گی رہی بات پان کی وہ آپ کو ملیں گے تو ٹھیک ایک بجے شب میں ہم مشاعرہ گاہ میں داخل ہوئے اک شور سنائی دیا وسیم آ گئے وسیم آ گئے مائک پر فیروز آباد کا اک لونڈا شاعر بھرپور ترنم میں غزل پڑھ رہا تھا مگر تمام اسٹیج کے شعرا نے کھڑے ہو کر وسیم کا استقبال کیا مرحوم ساغر خیامی اللہ غریق رحمت کریں ) بگڑ کر بولے اما تم کہاں پھنس گئے آپ کو تھے تمہارا انتظار کرتے کرتے آنکھیں تھک گئیں انا دھلوی ٹھنک کر بولیں واہ رے وسیم صاحب آپ بھی بڑے وہ ہیں راحت بھی وسیم کی دیر سے آمد پر ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے تو میں اس خیال میں غرق ہو گیا کہ اگر وسیم مشاعرے میں نہ آتے تو صبح میں تمام شہریوں کی آنکھ میں ذلیل وخوار ہو جاتا یوں بھی Slaqe پر بیٹھے منتظمین مشاعرہ مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اور میں ان مخالفین کی آنکھوں کی گالیاں سن رہا تھا آخر میں صبح 4 بجے وسیم صاحب نے جس لہجے میں غزل پڑھی کہ اللہ کی پناہ غزل کا مطلع ملاحظہ کریں ۔

میں نے خوابوں کو اگر خواب ہی سمجھا ہوتا

اس بھری بزم میں کاہے کو اکیلا ہوتا

صبح کی چادر تن رہی تھی رات کا اندھیرا دھیرے دھیرے چھٹ رہا تھا ایسے میں یہ کہنا ''اس بھری بزم میں کاہے کو اکیلا ہوتا'' مطلع سن کر سامعین پر اک سناٹا چھا گیا مجھے خوب یاد ہے ساغر خیامی اپنا چشمہ اتار کر اپنی انکھیں پونچھ رہے تھے سرخ سفید چہرا کرب وغم سے اور بھی سرخ ہو گیا خدا جانے کیوں میرا بھی دل بھر آیا اور وسیم سرور و مستی کے عالم میں غزل سرا تھے سامعین

ایک ایک مصرع ایک ایک شعر پر یوں داد دے رہے تھے کہ مشاعرے گاہ کی زمین ہلی جا رہی تھی اور میری آنکھیں کیف و مسرت خوشی کے عالم میں آنسو بہا رہی تھیں، ہائے رے مقطع سبحان اللہ سبحان اللہ)

شمع کی طرح کسی بزم کے ہو جاتے وسیم
ایک دو شب ہی جو تقدیر میں جلنا ہوتا

بیس پچیس ہزار عوام ایک ساتھ چیخ اٹھی وسیم بھائی ایک اور ایک اور مگر ساغر خیامی اور فضا ابن فیضی نے وسیم صاحب سے کہا آپ بیٹھ جائیں ساتھ ہی فضا ابن فیضی نے معراج فیض آبادی کو حکم دیا جا کر مجمع کو سنبھالو اسی بیچ وسیم کو وسیم پرستوں نے اسٹیج سے غائب کر دیا۔

بہت دیر بعد وسیم صاحب مسکراتے ہوئے انا دہلوی اور ساغر خیامی کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ہاتھ میں سفید رنگ کا بھرا پر الفافہ تھا اور بائیں جانب میرا رقیب روسیاہ۔ شمیم مجھے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا شمیم وسیم کو بہت پیارا ہے اللہ کا شکر ہے وسیم مشاعرے میں شریک ہوئے اور میں بدنامیوں سے بچ گیا صبح میں نے مشاعرے کے اک ٹھکیدار سے کہا میاں جاؤ اپنا کام کر واور یہ کان کھول کر سن لو تمہارے مشاعرے کی کامیابی میری وجہ سے ہوئی ورنہ تم جو اس وقت بڑھ بڑھ کر ڈ نیگ ہانک رہے ہو اس وقت تم سینہ تان کر موٹر سائیکل پر نظر نہ آتے کسی وقت حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب سے پوچھنا تب تمہیں صحیح حالات کا اندازہ ہوگا۔

یہاں میرا یہ کہنا ضروری ہو گیا ہے وسیم صاحب کے بارے میں جو اظہار خیال آنجہانی عظیم ناقد و شاعر حضرت فراق نے اپنی اک تحریر میں کیا ہے نذر ناظرین ہے۔

''وسیم (بریلوی) کے کلام میں آگہی اور شعور کی تہوں کا جائزہ ہے اور ایسا شعور اور آگہی جو کیف و سرور کا گلدستہ ہے یہ اکثر خدوخال سے بلند ہو کر کائنات کی رنگینیوں اور دلکشیوں سے لطف حاصل کرتے ہیں، شاعری بھی دراصل وہی شاعری ہے جو اپنے وجود سے ہمیں زندگی کے نزدیک تر چیزوں کا احساس دلاتی ہے، وسیم کی شاعری حیات کی احساس افزا شاعری ہے اور اسی آئینہ احساس میں دور کے عکس نزدیک پر جلا کرتے ہیں لیکن وسیم ہر عکس کے درمیان مستقل وجود کا احساس دلاتے ہیں۔

میں چل رہا ہوں کہ چلنا بھی ایک عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جاتا ہے

وسیم بریلوی

اب میں 18 جنوری 2006 کی وہ باتیں دہراتا ہوں جو درمیان میں میں نقل نہیں کر سکا سوال جناب کا نام جناب کی جائے پیدائش جناب کی سنہ پیدائش جناب کے والد کا نام میں یہ سب آپ کو بتا چکا ہوں۔

کوئی چراغ نہ آنسو نہ آرزوئے سحر
خدا کرے کہ کسی گھر میں ایسی شام نہ ہو

وسیم صاحب نے گفتگو اس شعر کے حوالے سے شروح کی (امریکا)۔۔

انھوں نے ایک عرصہ بعد محسوس کیا دوسرے ملکوں میں جا کر نوکری کرنا روٹی کمانا اور اچھی خوبصورت زندگی گزارنا ہی کافی نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کلچر کا مسئلہ وابستہ نہ ہو یہی ضرورت ہے ہندوستان سے باہر مشاعروں کی اور مشاعرے کرانے کی ذمہ داروں کی۔ چنانچہ 1975 سے امریکہ کے اندر باقاعدہ ایک تنظیم آرگنا ئیزیشن کے نام بنی جہاں پر پڑھنے لکھنے والے لوگ ہیں اور جو پرانے (اے ایم یو) کے اسٹوڈنٹ ہیں ان لوگوں نے مل کر نیویارک، واشنگٹن، چکا گو، لاس انجلیز، سین فران سکو، دیگر جگہوں میں اپنی بزم بنا رکھی ہیں اور انھیں آرگنائیزیشن کے تحت وہاں مشاعرے منعقد ہوتے ہیں، اب یہ سلسلہ سالانہ ہے سالانہ مشاعرے ہوتے ہیں وہ یوں کرتے ہیں کہ اپنی نئی نسل کے بچوں کو برائے تہذیبی پس منظر سے واقف کرانے کے لیے مشاعروں کا اہتمام بڑی خصوصیت کے ساتھ کرتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ اپنی وہ پیاس جو دوسرے معاشرے کے اندر ہے اسے وہ بھلا تو رہے ہیں لیکن کہیں نہ کہیں انھیں خالی پن محسوس ہوتا ہے چنانچہ اس سلسلے کی کڑی پر گفتگو کرنی ہے کہ جس کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں ان مشاعروں کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ ان میں تمام جو ہندوستان پاکستان سے منتقل ہو کر گئے ہیں اور وہاں پر رہ رہے ہیں وہ دو دو سو تین سو میل کا سفر طے کر کے Some Times یہاں آتے ہیں اور اپنی شامیں اسی تہذیبی ماحول میں گذارنے کی کوشش کرتے ہیں جو مشاعروں کی دنیا

ہے، دوسری چیز یہ کہ ان مشاعروں میں جو خوبی میں نے دیکھی کہ ہمارے یہاں یہ چیز کم ہو رہی ہے کہ علمی اور تعلیمی پس منظر کے لوگ مشاعروں میں شرکت کرنے کے لیے آتے ہیں ان کا علمی پس منظر ہوتا ہے اور اسی علمی پس منظر کے ساتھ جو لوگ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں تو جہاں سے وہ شعر سمجھتے ہیں اور جہاں وہ داد دیتے ہیں اور شعر کیچ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بڑی خوشی ہوتی ہے وہ ہما شما نہیں ہیں راہ چلتے سامعین نہیں ہیں جو ہندوستان کے مشاعروں میں اکثر آپ کو دیکھنے کو مل جاتی ہے (مل جاتا ہے) جبکہ یہاں کثرت سے مشاعرے ہوتے ہیں وہاں تو باقاعدہ تہذیبی جشن ہوتا ہے مشاعرے کے نام پر اور وہاں مہینوں پہلے اخبارات کے ذریعہ پوسٹر کے ذریعہ اعلان ہوتا ہے اور اس میں وہی لوگ جاتے ہیں جن کو جانا چاہئے

ہمارے یہاں مشاعروں میں اردو کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں اب ان کی تعداد دن بدن اس لئے کم ہوتی جا رہی ہے کہ ہمارے یہاں بنیادی سطح پر اردو کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے بلکہ اگر کہیں اردو کے پڑھے لکھے آتے ہیں تو ان مدارس سے آتے ہیں حالانکہ ان میں مذہبی بیک گراونڈ تو ہوتی ہے لیکن شعر کی خوبصورتی سمجھنے کے لیے ان کو شاید وہ ماحول نہیں مل پاتا ہے جو ہمارے تہذیبی گھرانوں کا دین ہوا کرتا تھا، ہندوستان کے مشاعروں میں خاصی تعداد ان حضرات کی بھی ہوتی ہے دیگر حضرات بھی ہوتے ہیں اور ہمارا وہ طبقہ بھی ہوتا ہے جس کی ادبی بیک گراؤنڈ ہوتی ہے باقی وہ لوگ ہیں جو عام (طرح کے) سامعین ہوتے ہیں تو ہمیں شعر سنانے میں جن دقتوں کا سامنا یہاں کرنا پڑتا ہے وہ سامنا ہم کو امریکہ، دوبئ، یا سعودیہ عرب کی محفلوں میں نہیں کرنا پڑتا ہے اس لیے وہاں جو طبقہ مشاعرہ سننے کے لیے آتا ہے کہیں نہ کہیں ان کی تعلیمی بیک گراؤنڈ ہوتی ہے یہ محفلیں مشاعروں کی یادگار محفلیں ہیں۔

وسیم صاحب ایک بار گفتگو میں آپ کا شعراذکر شمس الرحمن فاروقی صاحب سے میں نے کیا آپ کے دو چار شعر ان کی نذر کئے تو فاروقی صاحب نے مسکرا کر فرمایا میں تو وسیم صاحب کو انگلش پیٹرن کا شاعر سمجھتا تھا مگر آپ جو شعر سنا رہے ہیں اس کا اسلوب بیان اردو میڈیم ہے اور بہتر ہے اب آپ کیا کہتے ہیں جبکہ فاروقی صاحب سے آپ مطمئن بھی نہیں وسیم۔ تو دیکھے اس میں انھوں نے جو کہا ہے اس میں میں کیا کہہ سکتا ہوں اگر ان کو میرا طرز سخن پسند آیا ہے اور میرا اثر ان پہ

پڑ رہا ہے تو میں ان کی ترقی کے لیے دعائیں کروں گا، کیونکہ میں نے تھوڑی زندگی اس طرح گذاری ہے اور اسطرح پذیرائی ہوا گر وہ اس نقش کو ابھار کر سوچیں تو میرے لئے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے اور میں اس کو اللہ کی رحمت سمجھتا ہوں اور میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے ورنہ صورت حال یہ ہے کہ میں وہ بات دہرانا نہیں چاہتا ہوں کیونکہ آپ کے ڈرائنگ روم میں اس وقت اہل نظر حضرات ہیں۔

مجھ سے پاکستان میں اک سوال کیا گیا تھا ہم آپ کے ایک عرصہ سے آپ کو دیکھ رہے ہیں آپ میں کوی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی ہے اور ہمیں کچھ اس طرح لگتا ہے جیسے وقت آپ کے پاس آ کر ٹھہر گیا ہو

خاص طرح سے اس کا ذکر کر رہا ہوں کہ سوال آ اس طرح چنے کیا ہے تو اس کا بنیادی رشتہ ہے تو میں نے کہا اس میں میں کیا کر سکتا ہوں یہ قدرت کی مہربانی ہے اور میرے پاس اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے لوگ بڑی کوشش کرتے ہیں اپنی صحت Maintain رکھنے کے لیے۔ اس بارے میں میں نے کچھ نہیں کیا میں بہت لاپرواہ اور لاأبالی قسم کا آدمی ہوں کیسے کوئی (اپنی صحت) کی حفاظت کر رہا ہے مجھے اس کا پتہ نہیں ۔ کہنے لگے کوئی ایسا جواب دیجئے لگے آپ (وسیم بریلوی) جواب دے رہے ہیں یہ اللہ ہی جانتا ہے، آپ کے سوال کا جواب اب دیتا ہوں میں نے کہا میں نے بہت غور کیا اللہ پاک تو نے دنیا میں ایک چیز مشترک کیادی ہے؟ ایک چیز جو پروردگار بندوں کو دیتا ہے پیدائش میں دیتا ہے وہ ہے معصومیت وہ کسی مذہب کا ہو چاہے وہ کسی مرتبہ کا ہو، کسی خاندان کا ہو چھوٹا ہو بڑا بد معاش ہو شریف ہو تو کہنے لگے صاحب میں نہیں سمجھا آپ ہی سمجھا دیں۔

میں نے کہا میں کیا اللہ میاں نے معصومیت اک ایسی چیز ہے جو ہر بندے کو دی ہے میں نے کہا اللہ میاں جو ہیں پیدائش کے وقت فیصلہ کرتے ہیں جو پیدا ہونے والا ہوتا ہے ہر انسان کو (بچہ کو) معصومیت عطا کرتا ہے یہ اللہ کی امانت ہے آپ کو دی ہے اسی صورت میں آپ امانت لوٹا دیں جس صورت میں جس شکل میں ملی ہے آپ کہیں گے یہ کیسے ممکن ہے تو میں نے کہا جب سے ہوش سنبھالا ہے اور جب سے اللہ میاں نے مجھے سوچنے کی صلاحیت دی ہے میری یہ کوشش

رہی ہے میں جتنے بھی منفی جذبات ہیں ان پر قابو پانے کی کوشش کروں جتنے منفی جذبے ہیں نفرت ہے حسد ہے بغض ہے ان سارے جذبوں کے خلاف یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ یہ یکطرفہ ہیں میں آپ سے نفرت کر رہا ہوں یہ میں اپنے کو ختم کر رہا ہوں آپ پر کوئی اثر نہیں پڑا آپ گھر بیٹھے ہیں آپ سے جل رہا ہوں آپ پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے (بلکہ) اپنے آپ کو ضائع کر رہا ہوں تو جتنے منفی جذبے ہیں جب آپ اس پر قابو پالیں گے تو معصومیت جو اللہ نے ہر پیدا کرنے والے کو دی ہے باقی رہ جائے گی معصومیت کو تباہ کرنے والے منفی جذبے ہوتے ہیں۔

تو میں کہوں گا میں اس کی امانت لوٹانے میں لگا ہوں اس کا اثر انٹرویو لینے والوں پر بہت ہوا بولے یہ بات تو زندگی بھر کے لیے ہوگئی ۔۔۔۔ میں نے کہا جناب عالی اگر آپ تخلیقی سطح پر Pasalive ہیں تخلیقی سطح پر آپ کے جذبات تعمیری ہیں تو وہ (کردار) آپ کے چہرے پر اثر انداز ہوگا شرط یہ ہے (چہرے) کہ آپکی (زندگی) بنیادی طور پر مضبوط ہونا چاہیے ۔۔۔۔ اور بنیاد کمزور ہوگی تو آپ کے لئے ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں جیسے کہ فقرا کی اہمیت دنیا داروں میں نہیں مگر اسے تو تاریخ سمجھتی ہے تاریخیں جو ہیں وہ بڑی امارتوں سے نہیں بنی ہیں لکھے نہیں بنی ہیں تاریخیں بنی ہیں ان مفکرین سے (حکمرانوں سے نہیں بنی ہے) جنھوں نے دنیا سے اوپر اٹھ کر سوچنے کی کوشش کی ان اہل دل سے بنی ہیں جنھوں نے خلوص کے اندر انقلاب برپا کیا ۔شاعر جو ہے کوئی معمولی چیز نہیں ہے جب اللہ کسی کے دل میں نظر میں آپ کی عقیدت پیدا کرتا ہے تو آپکی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں ۔۔۔۔ خواص کی چیز بن جاتی ہیں آپ کو لغزش میں دیکھے گا زمانہ تو پورا سماج ۔۔۔۔ تو میں نے کہا صورت حال یہ ہے کہ رات کے 4 بجے تک پچاس پچاس ہزار کا مجمع دس دس ہزار کا مجمع ہے اور پہلا مصرع پڑھتے ہیں تو دسیوں ہزار آدمی وہی سوچتے ہیں جہاں سے میں نے سوچنے کی شروعات کی یہ ایک اللہ کی ذات سے معجزہ ہے (کرشمہ ہے) آج تو باپ کی بات سننے کے لیے بیٹا نہیں تیار ہے یہ تیس پچاس ہزار کا مجمع سنتا ہے تو یہ وہ ذمہ داریاں ہیں۔

وسیم صاحب بہت بہت شکر یہ کہ آپ نے منجملہ میرے سوالوں کے جوابات دینے میں دلچسپی دکھائی حالانکہ آپ مسلسل سفر میں ہیں پھر بھی دو ایک سوال آپ کے جواب کے منتظر ہیں قری اور

بلبل کی نہ رنگوں سے نہ خوبصورتی سے پھر بھی دو ایک سوال آپ کے جواب کے منتظر ہیں مجھے یہ بھی معلوم ہے آپ کئی راتوں کے سوئے نہیں ہیں مثلاً آپ نے آپ نے میرے ایک خط کے جواب میں فرمایا، ڈین فیکلٹی آف آرٹس ہونا کسی شعبہ کا صدر ہونا میری تخلیقی کارگزاریوں سے بڑی نہیں ہیں میرے نزدیک یہ درجات جو مجھے میرے معاش روزگار میں ملے ہیں یہ سب وسیم بریلوی سے بڑی چیز نہیں میں انھیں اپنی بیساکھیاں سمجھتا ہوں میں وسیم بریلوی ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

جب آپ کا یہ خط شائع ہوا جو آپکی بھی نظر سے گذرا ہوگا تو آپ کے پرستاروں نے پے در پے مجھے خطوط لکھے وسیم بریلوی صاحب اگر ڈین فکلٹی آف آرٹس کو (PHD) کمیٹی کا کنو ینر ہونا بیساکھی سمجھتے ہیں تو وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کر رہے آپ کا ہیں اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

قمر صاحب میں چونکہ ایسے معاملات سے بہت بچتا ہوں جہاں اختلافات پیدا ہوں کسی کے جذبات کو میں ٹھیس نہیں پہونچانا چاہتا جن صاحب نے میرے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے وسیم ان ڈگریوں کو بیساکھی کہتے ہیں یہ بڑی ناشکری کی بات ہے میری نظر سے ابھی وہ تحریر گذری نہیں میں نے اپنے خط میں اپنی کمزوریوں کا اعلان کیا ہے مگر میں ان کے جذبات کی قدر کرتا ہوں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے جو درس وتدریس سے وابستہ ہیں ان کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے شعبہ کا صدر ہونا کنو ینر ہونا یا وہ لوگ جو مقالے لکھتے ہیں اس کا نگراں ہونا جیسے کہ لوگوں نے PHD کا جہاں تک ہمارے تعلیمی شعبے کا تعلق ہے یا ڈین فیکلٹی آف آرٹس کا جہاں ہماری تعلیمی زندگی ہے اک مینیجر کی حیثیت سے وہ میرے لئے اعزاز ہیں اس کی ناقدری کرنا بہت بچکانا بات ہوگی لیکن یہ مسئلہ آجاتا ہے ایک اور پہلو کا جو میری زندگی کے ساتھ جڑا ہے جسے وسیم بریلوی کہتے ہیں جو میں ابھی آپ سے عرض کر رہا تھا لیجئے غالب کا اک شعر یاد آ گیا۔

قمری کفِ قاتل کروں بلبل قفس رنگ

اے لالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

اس نے کہا صاحب، قمری جو ہے وہ مصیبت کا آرٹ ہے (قفس رنگ) یہ رنگوں کا پنجرا ہے بلبل مگر پورے چمنستاں میں اتنے پرندوں کے ہوتے ہوئے قمری اور بلبل کا تذکرہ سب سے

زیادہ ہے اور چہکنے والی چڑیاں ہیں باغ میں آنے والی چڑیاں ہیں لیکن اردو یا فارسی شاعری میں قمری اور بلبل کا ذکر آپ کو بہت ملے گا یہ دونوں سمبل بن چکے ہیں آپکی اردو شاعری میں تو غالب نے بڑی خوبصورتی سے یہ پہلو اس میں پیدا کیا ؂

جز لالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

قمری اور بلبل کی نہ نگوں سے نہ خوبصورتی سے اس چیخ سے اس تڑپ سے جو محبت کی تڑپ اور چیخ اس کے اندر ہے جس کی وجہ سے پوری آواز اس کی پہچانی جاتی ہے تو میرے ساتھ اگر وسیم بریلوی نہ ہوتا تو یہ تڑپ اور یہ چیخ میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں اک کالج اک یونیورسٹی کا پروفیسر ہو کر ہزاروں آدمیوں کی طرح سے وہیں پیدا ہوتا اور بریلی کے باہر کا کوئی آدمی مجھے جو اللہ کے فضل و کرم سے اردو کی پوری دنیا میں پہچان ہے وہ تو لالہ جگر سوختہ ساماں کی وجہ سے ہے وہ صرف وسیم بریلوی سے تعلق ہے نہ اس کا تعلق ڈین فیکلٹی آف آرٹس سے نہ ہے، پروفیسر ریسرچ اس کالر سے ہے۔

وسیم صاحب نے غالبؔ کا بر محل شعر سند میں پیش فرما کر یہ ثابت کر دیا بڑی بڑی ڈگریوں سے زیادہ بڑی شاعری ہے اس کے بعد دنیا میں اور کوئی چیز نہیں ہے اپنے سروس پیریڈ میں میں نے اپنی شاعری کے سبب اپنی ملازمت میں کبھی یہ محسوس ہی نہیں کیا میں۔ Grov. Ser. ہوں میرے محکمہ میں اس شعر و شاعری کے سبب میرا بڑا نام تھا ۱۹۸۰ میں میں پہلی بار جب جناح ڈے کے مشاعرے میں کراچی گیا تو میرے ڈائرکٹر سید غلام حسین نقوی مرحوم نے اپنے دفتر میں میرا استقبال کیا میں نے GPF صرف دو ہزار مانگا تھا تو ڈائرکٹر (ڈپٹی) دلیپ کمار صاحب نے خوش ہو کر مجھے پانچ سو روپیہ انعام دیا پورے محکمہ میں میرے نام کی بڑی واہ واہ رہی کراچی آمد پر میرے دیرینہ ہند کے دوست و بڑے شاعر مرحوم مغفور دلاور فگار صاحب نے استقبالیہ نظم کہی لکھنؤ میں ملک زادہ، حسات وارثی، نسیم فاروقی وغیرہ میری اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے میں 25 دسمبر 1980 یہ مطلع پڑھ کر جگر کی یاد تازہ کر دی ؂

خود پئیں اور برا کہیں ظرف کے ایسے ہم نہیں
کوئی بھی آپ کے سوا واعظ محترم نہیں

اس سے پہلے غالباً 1975 میں حضرت جگر مراد آبادی، فراق گورکھپوری، جسٹس آنند نارائن

ملاّ، فنا نظامی بھائی جناح ڈے کے مشاعرے میں کراچی جا چکے تھے میں بے حد معذرت خواہ ہوں کہ میں نے بے محل بات چھیڑ دی پس چند منٹ اور آپ کو جشن جگر کے مشاعرے میں شرکت کی دعوت دی گئی تو اس بارے میں ڈاکٹر جاوید نسیمی نے مجھ سے کہا کل شب مشاعرہ میں وسیم صاحب نے پانچ شعر کی ایک غزل پڑھی عوام کا اصرار تھا وسیم صاحب کچھ اور پڑھیں مگر وسیم چند ہی منٹوں بعد مشاعرہ گاہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ریلوے اسٹیشن جا پہنچے میں نے کہا آپ کو عوام کے جذبات کا بھرم رکھنا چاہیے تو آپ نے فرمایا مجھے جگر ڈے کے مشاعرے میں گونڈہ پہنچنا ہے اور اگر یہ گاڑی چھوٹ جاتی تو جگر ڈے گونڈہ کے مشاعرے سے محروم ہو جاتا۔

(وسیم صاحب کے ایوارڈ اور چند بے حد اہم واقعے) تباہ کرنے والے منفی جذبے ہوتے ہیں (اس کے آگے) میر خیال سے کہ منفی جذبوں پر جتنا قابو پایا جائے گا اتنی ہی معصومیت آپ کے چہرے پر نمایاں ہوگی اور آپ کے اندر کا وہ معصوم بچہ جو پیدائش سے آپ کے ساتھ ہے آپ کے چہرے پر مرتے دم تک مسکراتا رہے گا۔

اے ایم یو کے Student ہیں (اس کے آگے)

علی گڑھ اولڈ بوائز کی تنظیم برائے طلبا اس سلسلے میں کافی تیز تیز دکھائی دیتے ہیں ان کے علاوہ بھی اردو مرکز انٹر نیشنلکھوں گا جس کی روح رواں نیرّ جہاں صاحبہ ہیں علیگڑھ Alumani جس کے محرک لوگوں میں ڈاکٹر عبداللہ، ڈاکٹر مظفر فاروقی ہیں نیر جہاں (لاس انجلس) ڈاکٹر عبداللہ (واشنگٹن) مظفر فاروقی (چکاگو) بزم ادب (لاس ویگن) کے صدر خالد نیر۔ اردو ٹائمز اور عالمی اردو کانفرنس کے مسرور جاوید وکیل انصاری کے علاوہ گزشتہ 2004 سے گہوارۂ ادب (NSA) کے ذمہ داروں نے مخلصین شعر و ادب نے ڈاکٹر خان مقبول صدیقی، روحیل خان صاحب عبد عباد الرحمان محسن زیدی اور دیگر بہت سے حضرات ہیں جو اس طرح کی شعری اور ادبی محفلیں سجانے اور نئی نسل تک اپنا تہذیبی ورثہ پہونچانے میں سرگرم عمل ہیں۔

انٹرنیشنل مشاعرہ 92210.7.1990 میٹرو سنوا سٹر یٹ ایسٹ Alla bena برم ادب کیلی فورنیا کی ایک جھلک

وسیم بریلوی، شمیم جے پوری، اظہر عنایتی، وسیم صاحب کا مطلع

کوئی چراغ نہ آنسو نہ آرزوئے سحر
خدا کرے کہ کسیجس کی گھر میں ایسی شام نہ ہو

اس مشاعرے میں وسیم صاحب کی اس غزل پر Usmaniar Grealir (NSA) Award حاصل ہوا۔ پھر دوسرا ایوارڈ نسیم اردو ایوارڈ بتاریخ 23-11-1996 چکاگو (امریکہ) میں ملا۔

پہلی نومبر 2001 جدہ ایوارڈ (جدہ) ریاض مشاعرہ یوم آزادی 25 Award اکتوبر 2001 ہندی اردو ایوارڈ لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی مشاعرہ 1021 Award منیر نیازی پاکستان، حمیرہ رحمان نیویارک، عشرت آفیریں، ہوسٹن امریکہ یہ 1971 Award کے ہیں اور وسیم صاحب نے بھی ہند کی نمائندگی کر کے سندیں حاصل کیں علاوہ ان کے اور بھی ہیں جنکا ذکر کروں گا وسیم بریلوی اور بدایوں کا ''لمحے لمحے'' یوں تو وسیم صاحب کی شاعرانہ شان وشوکت کے بارے میں اردو ہندی انگریزی کے رسالے میگزین اخبارات میں آئے دن خبریں نشر ہوا کرتی ہیں T,V بھی وسیم صاحب کے معاملے میں خاص طور پر فراخ دل ہے ہم نے حضرت جگر کی زندگی دیکھی ہے جس طرح جگر صاحب کو ان کی زندگی میں صحیح طور پر شاعرانہ عظمتیں حاصل تھیں عصر حاضر میں کم وبیش وہی عزت وسیم بریلوی کو مل رہی ہے علاوہ ان کے دیگر شعرا بھی ہیں مگر ان کی شاعری زیادہ تر بیانیہ شاعری ہے کہیں کہیں غزل کی چمک بھی نظر آتی ہے مگر وسیم بریلوی کا 95 فیصد اظہار بیاں بذریعہ غزل ہی ہے اور وسیم اپنی غزلیں کچھ یوں پڑھتے ہیں کہ غزل کا کرب سنے والے بھی محسوس کرتے ہیں اور یہی سبب ہے وسیم ہندو پاک کے علاوہ امارات عرب، سعودیہ اور یوروپی ممالک میں بھی بہت مشہور ومعروف وہردلعزیز ہیں ملک ہندوستان میں نوجوان طبقہ وسیم کی شاعری کا دیوانہ ہے بوڑھے، جوان اور ہماری خواتین کا پسندیدہ شاعر وسیم بریلوی ہے۔ وسیم کی شاعری، وسیم کی طرز معاشرت، وسیم کی شرافت نفسی، وسیم کی پاکبازی، وسیم کا ہر لمحہ قادرِ مطلق پر ایمان، وسیم کی عبادتیں میرے تجربے کے مطابق دیگر شعراے ممتاز ہیں ورنہ وسیم کی طرح زیادہ تر مشہور شاعر دنیا کی بہت سی چیزوں میں پڑ کر یا تو منور ہوجاتے ہیں یا خود کو تباہی کے گڑھے میں ڈھکیل دیتے ہیں، یہاں میں پروفیسر ملک زادہ منظور احمد صاحب کی تنقید ومشورہ پیش کرتا ہوں۔

# عصر حاضر کے زخموں کی گواہی

پروفیسر محمد حسن، دہلی

وسیمؔ بریلوی کے مزاج کی پہچان ہے وارفتگی اور وارفتگی پیدا ہوتی ہے عرفانِ غم سے۔ وسیمؔ شعر کہتے ہیں تو ڈوب کر اور لفظوں کو برتتے ہیں تو ترنم اور روانی کے پیشِ نظر، اسی لیے اُن کی شاعری تغزل کا لہجہ اختیار کرتی ہے جو اُن کی ذات اور زمانے دونوں سے پیوست ہے۔ وہ روایت سے منحرف ہیں نہ منکر۔ اپنے ذاتی تجربات واحساسات کے لیے جب روایتی سانچوں کو ناکافی پاتے ہیں تو اُن کی توسیع بھی کرتے ہیں اور اُن میں مناسب اضافے بھی اور اس راہ میں بھی وارفتگی ہی اُن کی رہنما ہے۔

غم کو دولتِ بیدار سمجھنا ہماری شعری روایت ہے۔ بعض نے اس کا رشتہ تصوف سے جوڑ لیا۔ بعض نے قنوطیت کے فلسفے سے مگر وسیمؔ نے غم کو نئے زاویئے سے دیکھا ہے۔ یہ زاویہ شخصی اور ذاتی بھی ہے اور عصری بھی۔ اُن کے زمانے کا غم محض ''وجود'' سے متعلق ہے نہ محض ازلی گناہ کے تصور سے بلکہ انسان کے اُن کہن سال ملالوں سے اُبھرا ہے جو خواب اور شکست خواب کے دوہرے عمل میں مضمر ہیں۔

وہ خوابوں کی گزرگاہوں کے اُجڑنے کا غم ہے جس سے ہر حساس انسان گزر رہا ہے۔ ''ترا شہرم، پرستیدم، شکستم'' کا دلدوز صدمہ ہے جو غزل میں زمزمہ بن کر پھوٹ بہتا ہے کہ اگر نغمہ نہ بنے تو زہر بن جائے۔ وسیمؔ اس احساسِ محرومی اور شکستِ آرزو کے زہر کو شہد کی طرح پیتے ہیں اور اس سے انوکھے پھول اور البیلے ست رنگی ستارے بکھرتے جاتے ہیں۔

بیشک وسیمؔ کے شعر تہہ دار ہیں اور اُن کی تشریحیں مختلف طرز میں کی جاسکتی ہیں۔ اُن کے ہاں اس قبیل کے شعر بھی ہیں جن پر اہلِ تصوف اپنا تصرف جمائیں گے مثلاً۔۔۔

جو تجھ میں مجھ میں چلا آ رہا ہے برسوں سے
کہیں حیات اِسی فاصلے کا نام نہ ہو

ایسے اشعار کی تشریح بھی صوفیانہ کے علاوہ دوسرے پیرائے میں بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ غزل کے رمز و ایماء کو وسیمؔ اس انداز سے برتتے ہیں کہ ہر علامت چوکھی ہوجاتی ہے اور اس کی تعبیر غم کی طرح مختلف زاویوں سے کی جاسکتی ہے بڑی بات یہی ہے کہ غزل کا شعر غم کے سہارے نئی بصیرتوں تک رسائی حاصل کرتا ہے اور یہ محض خشک فلسفیانہ بصیرت نہیں بلکہ شعری کیف اور جمالیاتی نشاط کے وہ لمحے بخشتی ہے جو شاعری کا اصلی مقصد ہوتا ہے۔

وسیمؔ کی شاعری عصرِ حاضر کے زخموں کی گواہی ہے ایسی آوازیں جو دل دوز بازگشت چھوڑ جاتی ہیں ان کے اندرون میں وہ روح کو پگھلانے والے حادثات اور احساسات ہیں جن میں دکھ اور درد مندی کے سمندر انگڑائیاں لیتے ہیں۔ غزل کے ست رنگی اظہار میں احساس و ادراک کی چند چھلکیاں ہی کھل کر بیان ہوپاتی ہیں باقی جو رہتا ہے وہ کیف سے بھرپور اور کیفیت سے بے خبر۔

اس شاعری کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں زندگی کو روشنی اور حرارت سے پیار مگر اسے حاصل کرنے کے وسائل محدود بلکہ مسدود ہیں اس اعتبار سے دیکھو تو یہ ہمارے دور کی سب سے بڑی محرومی ہے جو جینا اور سانس لینا تو چاہتی ہے تا کہ پورا معاشرہ ایک صحت مند وحدت کی طرح سانس لے سکے مگر اس پر ایسی محرومیوں اور نارسائیوں کا بوجھ ہے جو اسے غم کا ایسا عرفان بخش دیتی ہے جو شاید کامیابی اور کامرانی سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور جس کے نا آسودہ خواب مستقبل کی اساس ہیں۔ یہ دکھ وہ ہیں جن سے آنے والے دور کے خواب اور ارمان بنتے ہیں اور نئے تصورات جنم لیتے ہیں اور جن کے چراغ حساس فنکاروں کے خونِ جگر سے روشن ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس بلیغ اور ان کہی خاموشیوں کو مبہم سی سہی مگر زبان دے سکتے ہیں۔ وسیمؔ نے ان اَن دیکھے خوابوں کو جستہ جستہ بیان کرنے یا انھیں چاہنے کی جرأت کی ہے اور یہ جرأت محض شاعر کی ذات تک محدود نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ شاعر محض اس کے لیے ایک وسیلۂ اظہار

ہے اور یہ کیفیت وہ ہے جو اس کی ذات سے باہر آ کر پورے دور کی حسیت کا احاطہ کرتی ہے۔

مبارک ہے وسیمؔ بریلوی کی شاعری جس نے اپنی ذات کی دیواروں کو اتنا بلند نہیں کیا کہ چاروں طرف بکھری ہوئی زندگی کی آہ و فریاد، احساس و ادراک، اس کے شاعرانہ وجود تک نہ پہنچ سکے بلکہ یہ قربانی بھی دے کر اپنی آواز کو عصر حاضر کے دکھ درد میں اس طرح سمو دیا ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ عصر کہاں اور کس حد تک اظہار پاتا ہے اور شاعر کی اپنی ذات اور اس کے داخلی کی واردات کہاں اور کس حد تک دخیل ہوتی ہے اور یہی سچائی جہاں کامیاب ہوئی وہاں ان کی آواز کی دل گرفتگی اور خیال خیزی اس طرح نمایاں ہوتی ہے کہ کلام وسیمؔ کا ہوتا ہے اور جذبہ اور کیفیت سننے اور پڑھنے والے کی اور یہی سچائی وسیمؔ کے فکر و فن کی اساس ہے۔

وسیمؔ کی شاعری کی تین پرتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے صرف اشارے میں ہی یہ بات کہی بھی جا سکتی ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ شاعری بلکہ اس کا تقریباً ہر مصرعہ وسیم کی اپنی سرگزشت ہے مگر اس سے کہیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس شاعری کے اکثر اشعار پر اس دور کی مہریں لگی ہوئی ہیں جو ملک پر انتہائی فرقہ پرست جماعتوں اور ان کے اقتدار میں رہنے بلکہ ان کے زیر فرمان رہنے سے گزری ہے اور اس بے زبانی کو وسیم کی شاعری نے شاعری ہی کی سہی مگر زبان دی ہے، وسیلۂ اظہار بخشا ہے اور گویا جبر سے دبے کچلے سینوں سے کچھ بوجھ کم ہوا ہے۔

فرقہ پرست جماعتوں نے اس زمانے میں جو ننگا ناچ دکھایا ہے اس کے جلوے ان اشعار میں جا بجا بے حجاب ہو گئے ہیں اور تیسرے یہ کہ ان اشعار میں کوشش واقعات اور سرگزشت سے آگے بڑھ کر انسانی احساسات کے چند ایسے المیوں تک پہنچ کی ہے جو ہمارے دور کی نہیں شاید ہر دور کی زندگی کو ایک عمومی المیے کا رنگ دیتی ہیں اور جس کے بارے میں کیٹس یا شیلی نے کہا تھا کہ ہمارے شیریں ترین نغمات وہی ہیں جو ہمارے دل دوز جذبات و احساسات کو بیان کرتے ہیں۔

ان تینوں کیفیات کی اس انداز سے آمیزش کہ وہ وسیم کی اپنی آواز اور وہ بھی غزل کی آواز و آہنگ میں ڈھل جائے، یہی وسیمؔ کا فن ہے

دور تک شعلے ہیں پھر بھی دل یہ کہتا ہے وسیمؔ
کوئی آئے گا مرے گھر کو بچا لے جائے گا

# وسیم بریلوی کی شاعری ان کی شخصیت کی عکاس

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین
ہندستانی زبانوں کا مرکز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

فکر وفن کی تعبیریں بہت ہوئی ہیں اور مختلف توجیہات پیش کی گئی ہیں لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ فن کی نمو میں فنکار کی شخصیت اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔فن کی دنیا میں نہ صرف شخصیت موجود ہوتی ہے بلکہ اعلیٰ اور معیاری فن وہ ہے جس میں شخصیت کے عہد اور ماحول کی عکاسی بھی بخوبی موجود ہو۔اگر ایسا ممکن ہوا تو وہ اعلیٰ اور معیاری فن قرار پاتا ہے۔فن کی ایک منزل یہ بھی کہ اگر اس میں ہمہ گیریت در آئے تو وہ آفاقیت کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ شاعری چونکہ فنون لطیفہ کی اعلیٰ ترین اقدار کی حامل ہے اس لیے اس میں نازک جذبات و احساسات کی وہ کیفیات جو انسانی جمعیت کی ہمہ گیریت کو محیط ہو تو وہ اپنے زمانے سے آگے کی چیز ہوتی ہے اور ہر زمانے میں اس کی قدر ہوتی ہے۔ شاعری وہ فن لطیف ہے جس کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔ایک تو فنکار کا موزوں طبع ہونا عطیۂ خداوندی ہوتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ فن ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہوسکتا۔لیکن اس عطیۂ خداوندی کو صرف موزونیٔ طبع سے فن کی بلندی پر نہیں پہنچایا جاسکتا۔اس کے لیے ریاضت جیسے الفاظ یوں بے معنی ہو جاتے ہیں کہ ریاضت تو محض لفظوں کے استعمال کا سلیقہ عطا کرتی ہے۔لیکن ان لفظوں کو فکری توانائی عطا کرنا شاعر کے مشاہدے، فکر کی عمق اور زمانے کے احوال کے ساتھ عالمگیر ذہنی اور فکری رویے کے ساتھ ساتھ اپنی زمین پر کھڑے رہ کر دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کی طاقت اگر نہ ہو تو وہ فن بے وقعت اور

بے معنی لگتا ہے۔ بڑا شاعر وہ ہوتا ہے جو ان صفات کا حامل ہو ہے۔ یہ صفات بھی از خود نہیں آتے ان صفات کے لیے ایک عمر درکار ہوتی ہے جس میں تجربات و مشاہدات کی ایک لمبی مسافت، ایک طویل تخلیقی سفر کا کرب اور شعری محاسن کے بحر کی شناوری جیسے صفات فن کو فن بناتی ہیں۔

اردو شاعری کے موجودہ منظر نامے پر غور کریں تو خوشی ہوتی ہے کہ نوع بنوع شاعر موجود ہیں جن کے یہاں فن کی نیرنگیاں اور بوالعجبیاں بھی موجود ہیں۔ عہد حاضر کے شعرا شاعری کی عظیم روایت کو اسی تزک و احتشام کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں جس طرح اسلاف نے بڑھایا تھا۔ البتہ اس حوالے سے ایک المیہ یہ ہے کہ ہم نے شاعروں کی ایک درجہ بندی بھی کر لی ہے۔ ایسے شعرا جن کو آئے دن مشاعروں میں بلایا جاتا ہے، ان کو مشاعروں کا شاعر کہتے ہیں اور جو صرف رسالوں میں شائع ہوتے ہیں ان کو شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی اکثر حضرات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے اس طرح کی درجہ بندی کے سبب ہم نے اچھے شاعروں کو ادبی کینن سے اس لیے دور کر دیا ہے کہ وہ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ اس رویے نے ہماری ادبی روایت کو کہیں نہ کہیں ذق پہنچایا ہے۔ اس رویے پر بحث کی گنجائش ضرور ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ کچھ شعرا کی وجہ سے یہ رویہ سامنے آیا ہے۔ لیکن آنکھ بند کر کے سب کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرنا ادبی بد دیانتی بھی ہے۔ حالانکہ مشاعرے وہ ادبی اور تہذیبی ادارے ہیں جس نے ادب و شعر کے فروغ کے ساتھ ساتھ ہندستانی تہذیب و ثقافت کو بھی فروغ دیا ہے۔ اسی لیے بعض شعرا ایسے ہیں جنھیں تہذیبی سفیر کہنا بے جا نہ ہوگا۔ مشاعرے ہماری تہذیبی روایت کی ایک علامت ہے یہ اور بات ہے کہ کچھ مشاعروں کے شعرا ضرور قابل گرفت ہیں جنھوں نے عوام کے شعری مذاق کو خراب کیا ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اردو دنیا میں ایسے مشاعرے بھی ہو رہے ہیں جو مشاعرے کی روایت کو اسی تقدس کے ساتھ آگے لے جا رہے ہیں۔ اور ان مشاعروں میں ایسے شعرا بھی موجود ہیں جو ادب و تہذیب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہند و پاک یا عالمی سطح پر ایسے کئی نام ہیں جو احترام سے لیے جاتے ہیں۔ ان میں ایک بڑا نام وسیم بریلوی کا ہے جو عالمی شہرت کے حامل ہیں۔

وسیم بریلوی تقریباً تین دہائیوں سے شاعری کے منظر نامے میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ان کی موجودگی کسی مشاعرے کی کامیابی کی دلیل اس لیے کہ انھوں نے کبھی معیار سے سمجھوتا نہیں کیا اور شاعری کو ہمیشہ فن لطیف سمجھا۔ ان کی شاعری کے کئی رنگ ہیں گیت، دوہہ، غزل، نظم، نعت، حمد وغیرہ اصناف پر طبع آزمائی کی۔ کئی مجموعہ کلام منظر عام پر آچکے ہیں اور ان کی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہر صنف میں ان کا طرز خاص ہے۔ لہجے کی نرمیت، زبان کی سادگی اور اسلوب کی سائشتگی ہر جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کی شاعری اپنے عہد کے کرب کو بھی بیان کرتی ہے تو کہیں یہ شستہ ذوق جمال کی تسکین کے اسباب بھی مہیا کراتی ہے۔ معاشرتی اقدار کی شکست و ریخت کو کہیں وسیم بریلوی نے موضوع بنایا ہے تو کہیں انسان کے بدلتے رنگ و روپ کو اجاگر کیا ہے۔ ان تمام موضوعات کو برتنے میں کہیں ادبیت زائل نہیں ہوتی اور نہ شعر کا حسن مجروح ہوتا ہے۔ وسیم بریلوی اکثر بڑی باتوں کو اتنی آسانی اور سادگی سے کہہ جاتے ہیں کہ شعر پر نثر کا گمان ہوتا ہے، اسی کو سہل ممتنع کی شاعری کہتے ہیں۔ وسیم بریلوی کے ایک دو نہیں ان کے مجموعے کو اٹھائیں تو اکثر جگہ ایسے اشعار مل جائیں گے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

زندگی ہے اور دل نادان ہے
کیا سفر ہے اور کیا سامان ہے

☆

ننھے بچوں نے چھو بھی لیا چاند کو
بوڑھے بابا کہانی سناتے رہے

☆

مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

☆

ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے سے کیا حاصل
اداسیوں کی کوئی شہریت نہیں ہوتی

☆

لوگ بازار میں آئے : بک بھی گئے
میری قیمت لگی کی : لگی رہ گئی

☆

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

☆

اس طرح کے اشعار وسیم بریلوی کے یہاں بکثرت موجود ہیں جن میں کہیں مسلمہ حقیقت ہے تو کہیں زمانے کا کرب ہے اور کہیں بدلتے انسان کی بدلتی قدریں ہیں تو کہیں گش ہوتی انسانیت کی پر چھائیاں نظر آتی ہیں۔ وسیم بریلوی کا کمال یہ ہے کہ وہ غزل کے لب و لہجے میں ہی تمام موضوعات و مسائل کو بخوبی سمیٹے ہیں اور کہیں بڑے لطیف اشارے میں بڑی بات کہہ جاتے ہیں مثلاً:

آنسوں پر اس طرح ہنستے ہیں لوگ
جیسے غم کا کوئی مستقبل نہیں

یا ان کا یہ شعر جس میں حضرت علی کے قول کو پیش کیا ہے کہ (روایت کے مطابق حضرت علی سے منسوب ہے کہ انھوں نے کسی کے استفسار پر کہ وہ آپ کے حوالے سے نازیبا باتیں کر رہا تھا تو حضرت علی نے فرمایا مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس کے ساتھ کون سی اور کب بھلائی کی تھی):

یہ کون راہ دکھا کر چلا گیا مجھ کو میں زندگی میں بھلا کس کے کام آیا تھا

وسیم بریلوی نے اپنے اشعار کو بھاری بھر کم تشبیہات و استعارات سے بوجھل نہیں بنایا ہے بلکہ وہ سیدھے سادے انداز میں بات کرنے کا ہنر جانتے ہیں ۔ یہی وہ ہنر ہے جو ان کے اشعار کو سادہ اور سہل بیانی سے متصف کرتے ہیں اور سادگی میں حسن پیدا کرتے ہیں مثلاً :

کون سی بات کہاں کیسے کہی جاتی ہے
یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے

☆

میں چل رہا ہوں کہ چلنا بھی ایک عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جائیگا

☆

سوچنے سے کوئی راہ ملتی نہیں
چل دئے ہیں تو رستے نکلنے لگے

☆

اک ذرا سی انا کے لیے عمر بھر
تم بھی تنہا رہے میں بھی تنہا رہا

☆

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ فن میں شخصیت پورے طور پر موجود ہوتی ہے وسیم بریلوی کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تین سال تک ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ اپریل 2012 کی بات ہے کہ ان کے ایما پر جناب کپل سبل صاحب، وزیر برائے انسانی وسائل حکومت ہند نے مجھے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔ اس سے پہلے میں نے وسیم بریلوی کو صرف دیکھا تھا اور مشاعروں میں سنا تھا اس لیے وسیم صاحب کے حوالے سے میرا کوئی تاثر نہیں تھا البتہ ان کی شاعری کو ضرور پسند کرتا تھا۔ لیکن ان سے مل کر جیسے میں ایک ایسے انسان سے ملا جو اندر سے درویش صفت ہے، نماز اور وظائف کا پابند، منکسر المزاج، حد درجہ سادگی پسند، مزاج میں نرمی۔ انتہائی مخلص اور ملنسار۔ جب میرا تقرر ہوا (جو انھیں کے توسط سے ہوا تھا) تو وہ قومی کونسل میں میرا پہلا دن تھا۔ استقبالیہ کے لیے لوگ ہال میں موجود تھے میں کونسل میں داخل ہوتے ہی ان کے کمرے میں ملنے گیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ میں ان سے مل رہا تھا۔ انتہائی تپاک سے ملے اور ایسا لگا کہ برسوں کی آشنائی ہے، اتنے خلوص سے ملنے کا انداز مجھے آج بھی یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس کے بعد ان کی رہنمائی میں تین سال سے زائد عرصے تک میں قومی کونسل میں ڈائریکٹر کے فرائض انجام دیتا رہا۔ وسیم بریلوی چونکہ

مصروف ترین شخصیت کا نام ہے باوجود اس کے تقریباً ہر ماہ دہلی میں قیام کرتے اور کونسل کے لیے بڑے سے بڑے پروگرام کو ترک کر دیا کرتے تھے۔ عام طور پر شاعروں کا جو تصور ہے کہ وہ اپنی دنیا میں گم رہتے ہیں، وسیم بریلوی ہر گز ایسے نہیں وہ تو دنیا و مافیہا سے باخبر اور بیدار مغز، ذہن رسا اور کچھ کرنے کے جذبے سے سرشار رہتے۔ جب بھی وہ دفتر میں تشریف لاتے تو انتہائی خاموشی اور بغیر کسی رعب و دبدبے کہ کیونکہ کونسل کا وائس چیئر مین ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ تیسری منزل پر ان کا مخصوص چیمبر تھا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے مجھے اپنے چیمبر میں بلایا ہو بلکہ انکساری کا حال یہ تھا کہ وہ ٹیلی فون پر محض اتنا پوچھتے کہ کیا آپ اپنے چیمبر میں موجود ہیں، اس کے چند منٹوں کے بعد تشریف لے آتے۔ مجھے عجیب لگتا تھا بلکہ میں نے کئی بار گزراش بھی کی کہ آپ مجھے بلا یا لیا کریں لیکن انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ خود چل کر آتے گھنٹوں تک اردو کی صورت حال پر گفتگو ہوتی، اردو کے لیے نئے نئے منصوبے بناتے اور مجھے کام کرنے کی ترغیب دیتے۔ میں جب قریب سے ملا تو اندازہ ہوا کہ ہندستان کی بڑی سیاسی شخصیات اور حکومت ہند کے بڑے بڑے آفیسروں کے ان کے پاس فون آتے۔ میں نے انھیں کے تعلقات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کونسل کے لیے کئی اہم کام کیے۔ وسیم بریلوی صاحب کو میں نے دیکھا کہ کسی ذاتی کام کے لیے وہ کسی کو فون نہیں کرتے تھے اور نہ شروع میں کونسل کے لیے بات کرنا چاہتے تھے، جب میں نے انھیں یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ سر یہ نہ تو میرا کام ہے اور نہ آپ کا یہ کونسل اور پوری اردو دنیا کا کام ہے تو کیوں بات کرنے میں احتراز ہے۔ بہر کیف میں نے کسی طرح ان کو راضی کیا اور تین سال کے عرصے میں کونسل کے بجٹ کا معاملہ ہو یا نئی اسکیموں کو شروع کرنے کا معاملہ، ہر جگہ آپ معاون رہے بلکہ انھیں کی وجہ سے بڑے بڑے کام بھی ہو گئے۔ بس ان تفصیلات سے صرف اتنا عرض کرنا تھا اتنے وسیع تعلقات رکھنے والے اشخاص کے پیر زمین پر نہیں رہتے بلکہ وہ اس زمانے کے ہیرو ہوتے ہیں لیکن وسیم بریلوی حد درجہ خود دار اور روادار ہیں۔ اردو دنیا کے باہر ان کی عزت و شہرت کو میں نے نزدیک سے دیکھا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ ایسے لوگوں کے اندر خود بخود فخر و مباہ اور تکبر آجاتا ہے لیکن وسیم بریلوی کو جتنا قریب سے میں نے دیکھا ہے اور جو مشاہدہ میں نے کیا ہے وہ کم لوگوں کے ہوا ہوگا۔ کسی

موقعے پر ان کی اندر کوئی تبدیلی نہیں دیکھی۔ دیکھا تو بس اتنا کہ دنیا کی تمام نعمتوں سے اللہ نے انھیں سرفراز کیا ہے مگر وہ درویش صفت، منکسر المزاج اور ہمدرد انسان ہیں۔ وسیم بریلوی کا یہی انسان ان کی شاعری میں اسی طرح نظر آتی ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، کوئی زیب وزینت نہیں اور نہ زیب وزینت کے لیے بلاوجہ صنعتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی باتوں کو عوام وخواص تک پہنچانے کا ہنر جانتے ہیں۔ مثلاً

مری حیات سے شاید وہ موڑ چھوٹ گئے
بغیر سمتوں کی راہیں جہاں نکلتی ہیں
یہ زندگی کا سفر بھی عجیب ہی نکلا
سفر میں سب ہیں مسافر کوئی نہیں لگتا

سفر کا لفظ وسیم بریلوی کی شاعری میں اس قدر استعمال ہوا ہے کہ اس نے استعارے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ لفظ سفر سے انھوں نے اپنے اشعار میں نئے نئے معانی پید کیے ہیں۔ یہ ان کے اسلوب کا وہ استعارہ جو انھیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ یہاں چند مثالیں دیکھیں:

مری تلاش کو بے نام و بے سفر کر دے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کر دے

☆

میں چل رہا ہوں کہ چلنا بھی ایک عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جاتا ہے

☆

آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر
کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائیگا

☆

اس طرح میرا ذوق سفر کوس رہا ہے
جیسے کہ نہ ملنا مری منزل کی خطا ہے

☆

سفر پہ آج وہی کشتیاں نکلتی ہیں
جنھیں خبر ہے ہوائیں بھی تیز چلتی ہیں

☆

کہیں بھی جائے مری ہمسفر سی لگتی ہے
وہ راہ جس میں کوئی نقش پا نہیں ہوتا

☆

سارا قصہ سفر کے ارادوں کا ہے
راستوں کی تو کوئی کہانی نہیں

☆

سفر مشکل سہی لیکن مری ہمت یہ کہتی ہے
اکیلا چل دیا ہوں میں اکیلا رہ نہیں سکتا

ان اشعار میں عزم مستحکم بھی اور تسلسل کو زندگی کی علامت کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے، اکثر جگہ حرکت وعمل کو ہی زندگی کا اصل بتانے کا خوبصورت انداز بھی ملتا ہے۔

وسیم بریلوی نے نعت وحمد کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن نعت وحمد میں بھی انھوں نے اپنا ایک اسلوب پیدا کیا ہے۔ تفصیل کے بجائے ان کے چند اشعار ہی ملاحظہ کریں کیونکہ آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے۔

حمد کے اشعار:

کھلی چھتوں کے دیئے کب کے بجھ گئے ہوتے
کوئی تو ہے جو ہواؤں کے پر کترتا ہے

نعت کے اشعار

جینے کی تمنا کرتے ہو جینے کے لیے کیوں مرتے ہو
آؤ کہ محمدؐ کے گھر سے تقسیم یہ دولت ہوتی ہے

کھڑی ہیں دست بستہ خوشبوئیں پھولوں کی پلکوں پر
کسی کا جیسے نعت پاک کہنے کا ارادہ ہے

خدا کی شان کا آئینہ ہے اگر قرآں
تو اس کی شان کا زندہ مظاہرہ تم ہو

اب ذرا اس شعر کو بھی دیکھیں جس میں بالکل نیا انداز ہے۔لیکن لب ولہجہ وہی سادہ و پُرکار ہے مثلاً :

رات مجرم تھی دامن بچالے گئی
دن گواہوں کی صف میں کھڑا رہ گیا

آئے دن پیش آنے والے حادثات و واقعات کی اتنی اچھی تعبیر بیان کرنے والے اشعار کم ہی ملتے ہیں۔ذیل میں اسی طرح کے چند اشعار اور دیکھیں جو انداز بیان کے اعتبار سے بھی مضامین کے باندھنے کے لحاظ سے بھی بالکل نئے ہیں:

چراغ گھر کا ہو محفل کا ہو کہ مندر کا
ہوا کے پاس کوئی مصلحت نہیں ہوتی

ایسے بازار میں آئے ہی کیوں وسیم
اپنی بولی جہاں خود لگا نا پڑے

نئے دور کے چراغو تمہیں کتنی حسرتوں سے
وہ مکان تک رہے ہیں جہاں روشنی نہ پہنچی

تری آرزو بہت ہے ، ترا انتظار کم ہے
یہ وہ حادثہ ہے جس پر میرا اختیار کم ہے

جدت بیان، مضامین نو اور عام بول چال کی زبان میں یہ اشعار بھی دیکھیں جن میں فکر و خیال کی ایک عمیق دنیا آباد ہے:

خشک مٹی ہی نے جب پاؤں جمانے نہ دیۓ
بہتے دریا سے پھر امید کوئی کیا رکھے
میں نے مدّت سے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے
ہاتھ رکھ دے مری آنکھوں پہ کہ نیند آجائے

وسیم بریلوی کی شاعری میں نازک خیالی کے صفات بھی جا بجا موجود ہیں، تفصیل کے بجائے چند اشعار دیکھیں:

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دیگا
خواب جس کے ہیں، وہی نیند نہ آنے دیگا

ان دنوں کس قدر اکیلا ہوں
کوئی مجھ سے خفا نہیں ہوتا

ہنسی جب آئے، کسی بات پر ہی آتی ہے
اداس ہونے کا اکثر سبب نہیں ہوتا

مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

چراغ راہ کی قسمت پہ رحم آتا ہے
ہوا کے زور سے لڑنا بھی اور جلنا بھی

جسے محسوس کرنا چاہئے تھا
اسے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے

ان کے علاوہ ذیل میں چند اشعار درج کر رہا ہوں جن کے آگے شعر کے مضامین درج ہیں، ان کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ وسیم بریلوی کے یہاں شاعری محض مشاعرہ بازی نہیں ہے بلکہ وہ شاعری ہے جو ادب میں ایک مقام کی حامل ہے:

مرے بچوں کے آنسو پوچھ دینا
لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا

سیاسی مکاریوں پہ طنز

بساط بھر تو سمجھنے کی سب نے کوشش کی
مگر یہ صرف خدا جانتا ہے تم کیا ہو

انسان کی ریاکاری ومکاری

خاک پا ہو کے ملو جس سے ملو پھر دیکھو
اس بلندی سے تمہیں کون اترنے دیگا

نصیحت

اپنے ہر ہر لفظ کا خود آئینہ ہو جاؤں گا
اس کو چھوٹا کہہ کے میں کیسے بڑا ہو جاؤں گا

حقیقت

اصولوں پر جہاں آنچ آئے ٹکرانا ضروری ہے
جو زندہ ہو تو پھر زندہ نظر آنا ضروری ہے

حرکت وعمل

گھر کی گرتی ہوئی دیواریں ہی مجھ سے اچھی
راستہ چلتے ہوئے لوگ ٹھہر جاتے ہیں

دوسروں کو سہارا دینے کا سکھ

تم گرانے میں لگے تھے، تم نے سوچا ہی نہیں
میں گرا تو مسئلہ بن کر کھڑا ہو جاؤں گا

حقیقت جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے

دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت
یہ اک چراغ کئی آندھیوں پر بھاری ہے

عزم و حوصلہ

آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر
کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائیگا

حالات حاضرہ

میں اس سے نظریں ملاتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
کہ آنکھوں آنکھوں میں وہ ذہن پڑھنے لگتا ہے

نفسیات

مجھے بے دست و پا کر کے بھی خوف اس کا نہیں جاتا
کہیں بھی حادثہ گزرے وہ مجھ سے جوڑ دیتا ہے

المیہ مسلم قوم کا

محبت کے یہ آنسو ہیں انھیں آنکھوں میں رہنے دو
شریفوں کے گھروں کا مسئلہ باہر نہیں جاتا

تہذیب

لہو نہ ہو تو قلم ترجماں نہیں ہوتا
ہمارے دور میں آنسو زباں نہیں ہوتا

احوال واقعی

آنکھیں منظر ہوئیں کان نغمہ ہوئے
گھر کے انداز ہی گھر سے جاتے رہے

تہذیب

اک جدائی کا وہ لمحہ کہ جو مرتا ہی نہیں
لوگ کہتے تھے کہ سب وقت گزر جاتے ہیں

محاورے

جلا کے رکھ لیا ہاتھوں کے ساتھ دامن تک
تمہیں چراغ بجھانا بھی تو نہیں آتا

محاورہ اور نئے انداز سے مضمون کو باندھنا

اداسیوں میں بھی رستے نکال لیتا ہے
عجیب دل ہے گروں تو سنبھال لیتا ہے

محاورہ اور دلی سکون

شام تک صبح کی نظروں سے اتر جاتے ہیں
اتنے سمجھوتوں پہ جیتے ہیں کہ مر جاتے ہیں

عہد حاضر کا المیہ اور انسان کے بے چہرگی

پروں میں سمٹا تو ٹھوکر میں تھا زمانے کی
اڑا تو ایک زمانہ مری اڑان میں تھا

عہد حاضر

ترا خیال بھی کیسا عجیب جادو ہے
جو ساری عمر مری زندگی پہ چلتا ہے

عشق حقیقی

چاہے جتنا بھی بگڑ جائے زمانے کا چلن
جھوٹ سے ہارتے دیکھا نہیں سچائی کو

عالمی صداقت

یہ چند لمحوں کی بے اختیاریاں ہیں وسیم
گنہ سے رشتہ بہت دیر رہ نہیں سکتا

حقیقت

میلے کی رونقوں میں بہت گم تو ہو وسیم
گھر لوٹنے کا وقت میاں سر پہ آ گیا

موت کا تصور

پاس جاؤ تو بس ریت ہی ریت ہے
دور سے دیکھنے میں جو دریا لگے

انسانی کی بے چہرگی

کوئی منظر بھروسے کے قابل نہیں
تیری آنکھوں کا دکھ اور بڑھ جائیگا

دنیا کے شور و ہنگامے

خوشبوئیں تو قبیلوں میں بٹتی نہیں
نام لے کر مجھے کیوں پکارا گیا

ریا کاری

ملی ہوا میں اڑنے کی وہ سزا یارو
کہ میں زمین کے رشتوں سے کٹ گیا یارو

انسانی کی کج فہمی

وہ بہت ظاہر سہی پھر بھی چھپا رہ جائے گا
میری آنکھوں کے لئے اک مسئلہ رہ جائے گا

انسان کو پہچاننا مشکل

مسلسل حادثوں سے بس مجھے اتنی شکایت ہے
کہ یہ آنسو بہانے کی بھی تو مہلت نہیں دیتے

زمانے کے آشوب

سہارا لینا ہی پڑتا ہے مجھ کو دریا کا
میں ایک قطرہ ہوں تنہا تو بہہ نہیں سکتا

انسانی معاشرہ اور اس کی مجبوریاں

وسیم اس سے کہو دنیا بہت محدود ہے میری
کسی در کا جو ہو جائے وہ پھر در در نہیں جاتا

بے نیازی

کھلی فضاؤں میں اڑنا تو اس کی فطرت ہے
پرندہ کیوں کسی شاخ شجر کا ہو جائے

مسلسل جستجو

آج بھی ان خوابوں سا ارزاں کوئی نہیں
کل بھی میرے زخم بھنائے جاتے تھے

سیاسی احوال

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا ادا کاری نہ کرنا

فن کی پاسداری

یہ سر عظیم ہے جھکنے کہیں نہ پائے وسیم
ذرا سے جینے کی خواہش پہ مر نہیں جانا

اپنے کو نہ بیچنا

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دے گا
خواب جس کے ہیں وہی نیند نہ آنے دے گا

مسئلہ زمانے کا

وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا
ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے

تعلیٰ

ان اشعار کو میں نے دانستہ منتخب نہیں کیا بلکہ ان کے مجموعہ کلام کو ادھر ادھر سے دیکھتا گیا ، جہاں بھی نظر ٹھہری وہیں دل کو چھو لینے والے اشعار نظر آئے ۔ میں نہیں کہتا کہ یہی اشعار وسیم بریلوی کی شناخت ہیں ، ہاں یہ ضرور دعویٰ ہے کہ وسیم کے کسی بھی مجموعہ کلام کو دیکھیں آپ کو اکثر

ایسے اشعار مل جائیں گے جن میں فکر و خیال کی گہرائی و گیرائی نظر آتی ہے لیکن اسلوب وہی سادہ ہے جو اکثر سہل ممتنع کے زمرے میں آتا ہے۔ان اقتباسات اور حوالوں کے علاوہ بھی کئی اصناف سخن ہیں جن کی مثالیں میں درج نہیں کر سکا۔ گیت ہو یا نظم ہر جگہ وسیم بریلوی اپنی پوری شخصیت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ جیسے وسیم بریلوی ایک عظیم انسان ہیں ویسے ہی ان کی شاعری بھی عظیم ہے۔مختصر یہ کہ وسیم بریلوی عہد حاضر کے نمائندہ شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف صالح ادب کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں بلکہ اپنی شاعری کو سماج اور عہد کے کرب کا عکاس بھی بنایا ہے۔ ان کی شاعری اسلاف کی روایات کی امین بھی ہے اور نئی نسل کے لیے مشعل راہ بھی۔ شائستگی اور نرمی ان کے لب و لہجے کا نمایاں وصف ہے۔ سہل ممتنع کی خوبصورت مثالیں ان کی شاعری میں جابجا موجود ہیں، اسی لیے ان کے اکثر اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ تصنع اور ریا سے پاک وسیم بریلوی کی شاعری خود ان کی شخصیت کا عکس ہے۔

☆☆☆

# وسیم بریلوی: نئی نعت کا پیش رو شاعر

احمد جاوید

کھڑی ہیں دست بستہ خوشبوئیں پھولوں کی پلکوں پر
کسی کا جیسے نعت پاک کہنے کا ارادہ ہے

شعور کی رو خود بخود ماضی کے ان ایام میں چلی گئی جب یہ اور اس طرح کے اشعار کانوں میں پڑتے تھے تو نعت کی محفلوں، جلسوں اور مشاعروں میں گھڑی بھر کو ایک نئی دنیا آباد ہو جاتی تھی اور ایک تازہ ہوا کے جھونکے مشام جاں کو معطر کر دیتے تھے — بات صرف اتنی سی ہے کہ قمر گونڈوی صاحب نے وسیم بریلوی پر اپنی زیر طبع کتاب کا مسودہ دیا اور اصرار کرنے لگے کہ یہ ناچیز بھی کچھ لکھے — میرے ایک عزیز دوست اور شاعر ڈاکٹر عمیر منظر اکثر یہ شعر بڑی وارفتگی کے ساتھ پڑھتے اور اپنے مخصوص انداز و الفاظ میں کہتے ہیں 'اردو کی نعتیہ شاعری میں وسیم بریلوی کے اس شعر کا کوئی جواب نہیں ہے':

فلک کو میزبانی کی سعادت جب ملی ہوگی — تو بے چاری زمیں کی رات آنکھوں میں کٹی ہوگی

بے شک اردو فارسی کی نعتیہ شاعری کے ذخائر میں تغزل کے ایک سے بڑھ کر ایک نمونے موجود ہیں، جن میں نازک خیالی اور ندرتِ بیان اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے لیکن خیال کی یہ نزاکت، اسلوب کی یہ ندرت اور لب و لہجے کی یہ تازگی کہیں اور مشکل ہی سے ملے گی، اور وہ بھی اس سادگی کے ساتھ جو اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے، دل سے نکلتی، دل میں اتر جاتی ہے —

دراصل شاعری تخلیقی عمل ہے، محض صناعی یا اختراعی ہرگز نہیں، جو لوگ اوزان و قوافی کو

شاعری سمجھتے اور لفظوں کی صنعت گری میں لگے رہتے ہیں، مصرعوں کی نوک پلک سنوارتے عمر گزر جاتی ہے، شاعری کی دیوی ان پر مہربان نہیں ہوتی، کاریگری ہوجاتی ہے، فن لطیف کا در وا نہیں ہوتا کیونکہ یہ جذبوں کے جمالیاتی اظہار کا فن ہے، الفاظ جب احساس سے ہم آہنگ ہوتے ہیں تو شعر میں جان پڑتی ہے— ورنہ لاکھ الفاظ کے موتی پرو دیں، لعل و زمرد لے آئیں، چاہے جتنا رنگ و روغن بھریں وہ بے روح بدن ہوتا ہے، مکان بے مکیں— کسی نے کتنی خدالگتی بات کہی ہے کہ 'نغمے تو آدمی کی روح میں ربِ صوت و آہنگ، مالکِ حرف و نوا، خالق اظہار و بیان رکھ دیتا ہے— یہ صوت و نوا آدمی کے ساتھ نشو و نما پاتی ہے اور پھر کسی لمحے اس کا اظہار ہوجاتا ہے' مگر وسیم بریلوی کو جس نے بھی دیکھا سنا ہے وہ شخصیت کا سراپا شعر ہونا یا کسی کے تار نفس کی ہر تان کا نغمہ سرمدی ہوجانا بہ آسانی سمجھ سکتا ہے—

یاد نہیں آتا کہ وسیم بریلوی کو میں نے پہلی بار کب اور کہاں دیکھا تھا، پٹنہ یا کلکتہ کے کسی مشاعرے میں یا ٹیلی ویژن کی آمد کے ساتھ اس کے پردے پر، میرے لیے استاذ گرامی حسان العصر علامہ شبنم کمالی کے بعد یہ کسی شاعر کی دوسری شخصیت تھی جس کے ریشمی سراپا اور اس کے لب و لہجے کی لطافت و نزاکت میں ناقابل تصور مطابقت تھی اور جس کے الفاظ و احساس کی ہم آہنگی ماحول پر چھا جانے کی بے پناہ قوت رکھتی تھی— اب اس واقعے کو تیس پینتیس سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن کوئی اور ان کی جگہ نہ لے سکا— ان دونوں میں ایک اور قدر مشترک بھی تھی اور وہ تھی ان کی نعت گوئی اور نعت میں ان کے لب و لہجے کی جدت و ندرت— اس مدت میں نئی غزل کی کئی آوازیں ابھریں اور ڈوب گئیں، مشاعروں کے اسٹیج پر تو کیسے کیسے 'فنکار' اور گویے آئے اور گئے لیکن جو پائدار مقبولیت و محبوبیت وسیم نے پائی وہ ان ہی کا حصہ ہے— نصف صدی کے طویل عرصے میں یہ لازوال مقبولیت کسی کے حصہ میں نہیں آئی، ان کے پیشرووں میں بھی صرف جگر مرادآبادی نظر آتے ہیں جو طویل عرصے تک مشاعروں کی دنیا پر چھائے رہے لیکن وہ زمانہ اور تھا۔ (نہ دنیا اتنی پھیلی تھی نہ اتنی سمٹی تھی نہ ایسی تیز رفتار تھی— ابھی پرانی قدریں زندہ تھیں اور ان کو اس شکست و ریخت سے دوچار ہونا باقی تھا جو آنے والے وقتوں نے دیکھا) یاد آتا ہے کہ ایک مصاحبہ میں وسیم بریلوی سے کسی صحافی نے ان پر عمر کا اثر نظر نہ آنے کا راز جاننا چاہا تھا اور وہ

کوئی تشفی بخش جواب دینے کی بجائے صرف اتنا کہہ کر رہ گئے تھے کہ قدرت نے جس معصوم شکل وصورت کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے اسی معصومیت کے ساتھ دنیا سے واپسی کروں گا۔ دراصل اس سادگی، شائستگی اور طہارت کو کوئی اور نام دیا ہی نہیں جاسکتا جو قدرت نے ان کی شخصیت اور شاعری میں رکھی ہے۔

بلاشبہ لالہ کی حنا بندی فطرت خود بہ خود کرتی ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس پر خارجی عوامل کا اثر نہیں ہوتا، ماحول کے سرد وگرم اسے متاثر نہیں کرتے یا یہ کسی شعوری کاوش کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ حق تو یہ ہے کہ اظہار و بیان کی اس منزل کو پانے کے لیے ایک مدت کی مشق ومزاولت اور ایک عمر کی ریاضت درکار ہوتی ہے بلکہ اس کا تقاضا عبادت کی طرح کرنے کا ہوتا ہے۔ وسیمؔ بریلوی کی شاعری اور شخصیت دونوں اس حقیقت کا آئینہ ہے۔ وہ اپنی شاعری بالخصوص نعت گوئی کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں لیکن وہ اپنے عہد اور اپنے ماحول سے گہرا ارتباط بھی رکھتی ہے :

ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا

وسیمؔ کی شاعری اپنے عہد کی ایک درد آگیں داستان سناتی ہے، ان کے ہر لفظ میں ایک ٹیس اور ہر لے میں ایک آہ سی محسوس ہوتی ہے جو ایک چنگاری سی دلوں میں اتار دیتی ہے، لیکن ایک عجیب سی مٹھاس اور ایک بے حد پرکیف نغمگی کے ساتھ۔ وہ احتجاج بھی کرتے ہیں تو کچھ اس انداز سے کہ:

تم گرانے میں لگے تھے، تم نے سوچا ہی نہیں
میں گرا تو مسئلہ بن کر کھڑا ہوجاؤں گا

☆

کھلی چھتوں کے دیئے کب کے بجھ گئے ہوتے
کوئی تو ہے جو ہواؤں کے پر کترتا ہے
چراغ راہ کی قسمت پہ رحم آتا ہے
ہوا کے زور سے لڑنا بھی اور جلنا بھی

☆

دھوپ کے ایک ہی موسم نے جنہیں توڑ دیا
اتنے نازک بھی یہ رشتے نہ بنائے ہوتے

☆

ہنسی جب آئے ، کسی بات پر ہی آتی ہے
اداس ہونے کا اکثر سبب نہیں ہوتا

☆

میں اپنے پاؤں میں زنجیر ڈال کر خود ہی
یہ سوچتا ہوں کہ آخر مری خطا کیا ہے

غزل کے نازک آبگینے میں غم روزگار کی حکایتیں پیش کرنا کوئی وسیمؔ بریلوی سے سیکھے — وسیمؔ نے ترقی پسندی کے دور میں آنکھیں کھولیں، جدیدیت کا عروج وزوال دیکھا، مابعد جدید رجحانات کا زمانہ بھی دیکھ رہے ہیں — اس دوران شعروادب کی دنیا کیا سے کیا ہوگئی، کتنوں نے اپنا قبلہ بدلا، آستانے بدلے اور روئے سخن بدل لیا، لیکن وسیمؔ بریلوی کو اس کی ضرورت پیش نہیں آئی — انہوں نے شعوری طور پر اپنی ایک راہ نکالی تھی جس سے وہ کبھی نہیں ہٹے — بہ غور دیکھیں تو وہ ان شعرا میں ہیں جو اردو کی دونسلوں کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں — بالخصوص اردو کی نعتیہ شاعری کو جن شعرا نے جدید حسیت، نئی لفظیات اور فکری وفنی تازگی سے ہم کنار کیا، ان میں ایک نام وسیمؔ کا بھی ہے، بلکہ جس طرح نئی غزل کے پیش رؤوں کا ذکر آتے ہی سب سے پہلے یاسؔ یگانہ چنگیزی کا نام ذہن پر دستک دینے لگتا ہے پھر شادؔ، فراقؔ، فانیؔ، اصغرؔ، حسرتؔ اور جگرؔ کے نام آتے ہیں — اسی طرح نئی نعت کے پیش رؤوں میں سب سے پہلے وسیمؔ کا نام، ذہن پر دستک دیتا ہے — وسیمؔ آج ایک غزل گوشاعر کی حیثیت سے شہرت ومقبولیت کے جس مقام پر ہیں، وہاں ان کے تعلق سے مشکل ہی سے کسی کا ذہن اس جانب جائے گا کہ ان کی شاعری کا ابتدائی وتشکیلی دور نعتوں، مرثیوں اور نوحوں کا ہے اور یہ کہ اپنے شعری سفر میں انہوں نے نعت پاک کے دامن کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا — یہ ذکر پہلے ہی آچکا ہے کہ وہ نعت گوئی کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں — یقینا اس میں اس ماحول کا بڑا ہاتھ ہے

جس میں وسیمؔ کی نشو ونما ہوئی — انہوں نے بریلی میں آنکھیں کھولیں جس کی فضا امام احمد رضاؔ بریلوی اور حضرت حسنؔ بریلوی کی نعتوں اور سلاموں سے معطر تھی، ان کی ابتدائی زندگی کا ایک بڑا حصہ رامپور میں گزرا جس کو اردو شعر وادب میں ایک دبستان کا درجہ حاصل رہا ہے اور ان کے والد نسیمؔ مرادآبادی خود بھی شاعر تھے۔

اردو میں نعت گو شعرا کی بڑی طویل فہرست ہے — ابتدا سے آج تک شاذ ونادر ہی کسی شاعر نے اپنے دیوان یا مجموعۂ کلام کا آغاز حمد ونعت سے نہ کیا ہو لیکن ایسے شعرا انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنہوں نے نعت گوئی میں اپنی شناخت بنائی ہو یا نعت میں فکر وفن کے نئے گوشے روشن کیے ہوں — لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ان مٹھی بھر عندلیبان حریم قدس کے فکر وفن کی قدر وقیمت جاننے یا ان کے کلام کے تنقیدی مطالعہ کا کوئی نظام فروغ نہ پاسکا — پچھلے پندرہ بیس سال میں نعتیہ شاعری کے مطالعے کو ضرور کچھ فروغ حاصل ہوا ہے —

رسالہ 'نعت رنگ' کراچی نے بہت اچھی کوششیں کی ہیں — اس حوالے سے ابھرنے والے بعض قلم کاروں مثلاً حفیظ تائب، راجا رشید محمود، عزیز احسن، حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر سید شمیم گوہرؔ وغیرہ کے کاموں کی قدر وقیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ابھی تک اردو کی نعتیہ شاعری کا کوئی مربوط مطالعہ سامنے نہیں آسکا — آیا ہو تو میری نگاہ سے نہیں گزرا، حالانکہ نعت گو شعرا پر برصغیر کی یونیورسٹیوں میں اب تحقیقی مقالے بھی لکھے جارہے ہیں اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں بھی دی جارہی ہیں — ایسی کئی پی ایچ ڈی خود وسیمؔ بریلوی کی نگرانی ورہنمائی میں بھی ہو چکی ہے لیکن یہ تحقیق اور اس نوعیت کے مطالعے اس لیے نتیجہ خیز نہیں ہوتے کہ نہ تو کام کا معیار متعین ہوتا ہے، نہ نعت کے صنفی ارتقا کی تاریخ اور وسعت ہی سامنے ہوتی ہے — جب بھی یہ کام ہوا اردو میں وسیمؔ بریلوی کی نعت گوئی کے صحیح مقام ومرتبہ کا تعین ہوسکے گا — ابھی تک تو ہم اردو نعت میں فکر وفن کے تعلق سے باتیں کرتے ہیں تو مرزا محمد رفیع سوداؔ اور کرامت علی شہیدیؔ سے شروع کرکے غلام امام شہیدؔ، کافیؔ مرادآبادی، محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی، امام احمد رضاؔ بریلوی اور حسنؔ بریلوی پر قصہ تمام کردیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ حالیؔ، شبلیؔ، اقبالؔ، محمد علی جوہرؔ اور ظفر علی خاں سے امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، بیدمؔ شاہ وارثی، اکبرؔ وارثی، آسی غازیپوری، بہزادؔ لکھنوی، حفیظؔ جالندھری اور ماہر

القادری تک پہنچتے پہنچتے ہماری سانسیں اکھڑنے لگتی ہیں — بہت زور مارا تو حالیؔ، شبلیؔ اور اقبالؔ کے زیر اثر نعت کے موضوعات میں آنے والی وسعت اور تنوع وغیرہ پر گفتگو کر کے اپنی باتوں میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کر لی حالانکہ ۱۹۵۰ء کے بعد کی اردو شاعری پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں تو اردو نعت کے تعلق سے مطالعے کا ایک بڑا وسیع کینوس ابھر کر سامنے آتا ہے۔ علامہ قتیلؔ داناپوری، ضیاؔ بدایونی، واقفؔ عظیم آبادی، نجمؔ خیرآبادی، مہرؔ شکروی، رازؔ الہ آبادی، قمرؔ سلیمانی، ادیبؔ مکن پوری، بیکلؔ اتساہی، اجملؔ سلطانپوری، حفیظؔ بنارسی، شبنمؔ کمالی، علقمہ شبلیؔ، وسیمؔ بریلوی، حبیبؔ ہاشمی، عثمان عارفؔ نقشبندی، جوہرؔ بجنوری، قمرؔ گونڈوی، کوکبؔ حیدرآبادی، اعجازؔ کامٹوی، نیرؔ دموہی، ابوالمجاہد زاہدؔ، طلحہ رضوی برقؔ، حسیب رہبرؔ پرتاپ گڑھی، عزیزؔ بگھروی، ربابؔ رشیدی لکھنوی، مختار احمد عاصیؔ، ابرارؔ کرتپوری، تابشؔ مہدی، نازؔ انصاری اور پاکستان میں عبدالعزیز خالدؔ، حفیظ تائبؔ، عاصیؔ کرنالی، مظفر وارثی، محشر بدایونی، حافظؔ لدھیانوی اور نعیم صدیقی وغیرہ پر نگاہیں ٹھہر جاتی ہیں —

۱۹۸۰ کے بعد ابھرنے والی نسل میں صبیح رحمانی بڑا ہی نمایاں نام ہے جس نے نعت کے حوالے سے نئی شعریات دریافت کی ہے — ہندوستان میں یہ کام چندر بھان خیالؔ، عنبر بہرائچی، طاہرؔ فراز اور حلیم حاذق جیسے شعرا کر رہے ہیں — چونکہ اس وقت اس عہد کے نعت گو شعرا کی کوئی باضابطہ فہرست یا ان کے کلام کے نمونے ہمارے سامنے نہیں ہیں، اس لیے عین ممکن ہے کہ کئی اہم نام چھوٹ رہے ہوں لیکن اس مختصر فہرست سے بھی اردو میں نعت گوئی کی نصف صدی کا جو منظر نامہ ابھر کر سامنے آتا ہے وہ بہت ہی وقیع، وسیع اور کثیر الابعاد و ہمہ جہات ہے —

یہ ذکر پہلے ہی آچکا ہے کہ نئی نعت کے پیش رؤوں کا ذکر کیجیے تو وسیمؔ بریلوی کا نام سب سے پہلے ذہن پر دستک دیتا ہے — نعت کے تحقیقی و تنقیدی مطالعے کے فروغ میں بھی وسیمؔ بریلوی کی خدمات نظر انداز نہیں کی جا سکتیں — ان کی نگرانی و رہنمائی میں روہیل کھنڈ یونیورسٹی (بریلی) میں جو اردو کے نعت گو شعرا بالخصوص امام احمد رضاؔ بریلوی کی شعری و نثری خدمات پر الگ الگ تحقیقی کام ہوئے ہیں، وہ بھی اہمیت کے حامل ہیں — نئی نعت کے پیش رؤوں میں مظفرؔ وارثی، بیکلؔ اتساہی، شبنمؔ کمالی اور ان کے بعض دیگر معاصرین کے نام بے شک زیادہ وقیع و باوزن ہیں — وسیمؔ

اپنے ان ہم عصروں سے عمر میں بھی کم ہیں اور میدان شعر وسخن میں بھی بعد میں آئے — پھر یہ کہ ان شاعروں نے زیادہ تواتر اور تسلسل سے نعتیں کہی ہیں اور عین ممکن ہے کہ وسیم کی نعتیہ شاعری کی ضخامت ان سے بہت کم ہو، لیکن نعت میں نئے رنگ وآہنگ اور نئی لفظیات کے برتاؤ میں ان کو ان پر سبقت بھی حاصل ہے اور یہ رجحان ان کی نعتوں میں زیادہ نمایاں بھی ہے—

☆☆☆

# بلندیوں پر ٹھہرنے والا شخص وسیم بریلوی

انور جلال پوری

مشاعروں کے اسٹیج کی گذشتہ پانچ دہائیاں وسیم بریلوی کے نام سے منسوب ہیں۔ شاید یہ شعر میرے اس خیال کو زیادہ واضح کر سکے کہ تشکیل و تعمیر فن میں جو کچھ بھی وسیم کا حصہ ہے:

نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

وسیم صاحب کی سنجیدہ مزاجی، کم سخنی اور اعتدال پسندی انھیں ایک امتیازی حیثیت بخشے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے سے چھوٹوں سے کھل کے ملتے ہیں اور برابر والوں سے ملنے میں کھل اٹھتے ہیں وہ نہ زاہد خشک ہیں نہ دیوانہ صفت۔ ہاں! زہد کی ریا کاری اور دیوانگی کے رموز سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کی شخصیت میں ایک معلم کا ذہن، ایک شاعر کا دل اور ایک دانشور کا شعور شامل ہے۔

وسیم بریلوی چالیس برسوں تک درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ اعلیٰ درجات کے طلبا کو تعلیم دیتے رہے اور ریسرچ میں طلباء کی رہنمائی بھی کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے اہل علم میں بھی وہ کافی محترم ہو گئے۔ اردو کے ساتھ ان کی انگریزی دانی نے بھی بہتوں کو ان سے متاثر اور مرعوب کیا انھوں نے ہمیشہ خوش لباسی کا اہتمام کیا۔ انھوں نے کوئی نمائش تو نہیں کی لیکن اسٹیج پر ہمیشہ وہ نمایاں رہے۔

وسیم بریلوی آسان لکھنے کی دشواریوں سے واقف ہیں ان کی اسی سہل پسندی نے ہندی داں طبقے میں بھی انھیں بہت مقبول بنایا ہے۔ ان کا شمار مشاعرہ کے اسٹیج کے ان ادبی ستونوں میں ہونے لگا ہے جن کی موجودگی میں ڈائس کے شعراء باادب ہو جاتے ہیں۔ وہ بیرون ملک میں

اردو کے ایک معتبر سفیر ہیں۔

وسیمؔ بریلوی شاعر کی حیثیت سے دنیا کے بہت سے ملکوں میں جا چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ تیس برسوں سے جاری ہے۔ پاکستان میں انھیں بے انتہا محبت اور احترام سے سنا جاتا ہے۔ یورپ اور امریکا میں بھی ان کے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ وسیمؔ صاحب اپنی نوعمری سے ہی نماز اور روزے کے بہت پابند ہیں۔ اور اس عمل میں بے انتہا خاموشی ہے۔ امریکہ کے کئی شہروں کے وہ علاقے جہاں اچھے اچھوں کی توبہ بھی ٹوٹ جائے اور وضو بھی۔ وہاں پر بھی وسیمؔ صاحب کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اس اصول پسندی میں توفیق الٰہی یقیناً شامل ہے۔

وسیمؔ صاحب کی شخصیت میں عرب کا سوزِ دروں بھی ہے اور عجم کا حسن طبیعت بھی۔ وہ سچ مچ قدیم وجدید کا ایک سنگم ہیں۔ بڑے شاعر سے ان کا مقابلہ کرنا غیر ضروری بات ہے وہ اپنے دائرے میں خود منفرد بھی ہیں اور بڑے بھی۔ ان کے لہجے کی شگفتگی اور شائستگی عوام اور خواص میں ان کی محبوبیت کا سبب بنی رہے گی۔

جناب قمرؔ گونڈوی جنھوں نے اصغرؔ اور جگرؔ کی صحبتوں سے بہت کچھ سیکھا ہے اور مجروحؔ سلطان پوری جیسے معتبر اور مستند غزل گو سے بڑی قربت رکھتے تھے، قمرؔ گونڈوی کی نثر اور شاعری دونوں قابل قدر ہیں، انھوں نے وسیم صاحب کی شاعری اور شخصیت پر اپنی کتاب ''وسیمؔ بریلوی شخص اور شاعر'' میں جو کچھ بھی لکھا ہے، اس کی ایک ایک سطر پڑھنے ہی نہیں بلکہ غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ شاعری کے سلسلے میں قمر صاحب کی شخصیت اہل نظر میں شمار ہوتی ہے۔ ان کی تحریریں میں خود بھی بہت غور سے پڑھتا ہوں۔

☆☆☆

# وسیم بریلوی

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی

وسیم صاحب کا نام طالبعلمی ہی کے دور سے اس انداز سے سنا کرتا تھا کہ وہ بہت اچھے اناؤنسر ہیں ان کی موجودگی مشاعرے کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی ہے۔ موصوف ایک مشاعرہ میں شرکت کرنے کے لیے گونڈہ تشریف لائے اس موقع پر بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر وسیم بریلوی قمر صاحب کی معیت میں میرے مکان پر تشریف لائے تو ایک ملاقات کا شرف حاصل ہوا، موصوف نے اپنی خوش اخلاقی، ومحبت اور بڑک پن کی بنا پر کافی وقت دیا احباب کی موجودگی میں مختلف انداز سے مختلف پہلو پر بہت ہی دلچسپ گفتگو رہی اس ملاقات نے میرے ذہن پر جو نقش چھوڑا وہ موصوف کی عنایت، سنجیدگی اور وقار ہے دین کی تڑپ اور غیر شرعی باتوں سے کڑہن ہے، اپنی گفتگو سے موصوف احباب کو درس دے رہے تھے:

کون سی بات کہاں کیسے کہی جاتی ہے
یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے

وسیم بریلوی صاحب ایک اعلےٰ درجہ کے منجھے ہوئے غزل گو شاعر ہیں جو زندگی کے ہر مسئلہ کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ غزل کی شاعری میں دلوں کو چھو جانے والے روح وتن کو مہکانے والے اور سرمستی پیدا کرنے والے الفاظ ہوتے ہیں۔ گو جو شاعر ان لفظوں کا استعمال جانتا ہے وہی غزل گو شاعر کہلاتا ہے، وسیم صاحب غزل میں سوز و گداز و درد ہوتا ہے۔ ان کی غزل میں سوز و گداز و درد ہوتا ہے کہ ہر ایک سننے والا متاثر ہو جاتا ہے نیز مو

صوف کی غزلوں میں جمالیاتی پہلو، عاشق کی آہ وزاریاں اور کیف آور گوشے موجود ہوتے ہیں جو سامع کو آبدیدہ کردیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وسیم صاحب کی موجودگی مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی ہے اور شائقین مشاعرہ آپ کے اشعار اور غزل سننے کے لئے ساری ساری رات بیٹھ کر گذار دیتے ہیں۔ ملک وبیرون ملک سفر کرنے، مشاعروں میں شرکت کرنے اور پھر وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کی وجہ سے معاشرہ کی خرابی اور لوگوں کا اپنی عیش کوشیوں میں مشغول ہو کر مسائل حیات سے غافل ہو جانا جب وسیم صاحب کے سامنے آیا تو ان کی فطری دینداری اور صفائی باطن نے ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور یہ کہنے پر مجبور کر دیا۔ ؎

ساتھ اس شہر کے صدیوں کی تن آسانی ہے
درس تحریک دے اے کار جہاں اور کہیں

اور یہ کہا۔

میں چل رہا ہوں کہ چلنا بھی ایک عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جائیگا

اور قوم کو سنبھلنے کا پیغام دیا

سفر مشکل سہی لیکن میری ہمت یہ کہتی ہے
اکیلا چل دیا ہوں میں اکیلا رہ نہیں سکتا

☆

ذرا سی خاک ہو اس بات پر نہیں جانا
ہزار آندھیاں آئیں بکھر نہیں جانا

اور رب کائنات سے لولگانے اور پھر دعا کرنے کے لیے قوم کو یہ پیغام دیتے ہیں۔ ؎

دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت
یہ اک چراغ کئی آندھیوں پر بھاری ہے

لیکن حالات حاضرہ، بددینی، ملکی بدامنی، آپسی بھائی چارہ، پیار ومحبت کے بجائے فتنہ وفساد اور نفرت وعناد کو دیکھ کر وسیم صاحب بھی دل برداشتہ ہو گئے اور کہنے پر مجبور ہو گئے۔ ؎

آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر
کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائیگا

احکام شرعیہ اور فرامین رسول صلی اللہ وسلم سے قلبی تعلق اور محبت کی بنا پر موصوف رب کائنات سے لولگانے کا درس دیتے ہوئے یہ شعر پیش کرر ہے ہیں:

وسیم اس سے کہو دنیا بہت محدود ہے میری
کسی در کا جو ہو جائے وہ پھر دردر نہیں جاتا

میں دعا گو ہوں اللہ وسیم صاحب کو اس خیالی حضور سے نکال کر حقیقت کے سانچے میں ڈھلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

# قمر کے دوست وسیم بریلوی

سید وصی الدین، بہرائچ

حضرت وسیم بریلوی مرادآباد کے اک بڑے جاگیردار کے لڑکے ہیں بعد تعلیم وتربیت رو ہیل کھنڈ یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے جہاں ڈین فیکلٹی آف آرٹس کے معزز عہدہ پر فائز رہے ۔دس سال تک P H D کمیٹی کے کنونیر رہے۔آپ کی دیکھ ریکھ یا سرپرستی میں دس حضرات نے P H D کی ڈگری حاصل کی۔علاوہ اس کے بریلی سول ڈیفنس کے چیف وارڈن رہے۔ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کی مجلس عاملہ کے رکن اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں۔شہر بریلی کے اور بھی کئی عہدوں پر آپ نے پبلک ورک بحسن وخوبی انجام دئے ہیں۔اس عزت وحرمت کے باوجود کہ وسیم صاحب علم وادب کی دنیا میں بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں، ہندوپاک کے علاوہ ممالک غیر میں جہاں بھی اردو کا چلن ہے اردو وسمجھی اور بولی جاتی ہے وہاں کے لوگ وسیم بریلوی کی شاعری کے مداح ہیں اور موصوف کو بہت قریب سے جانتے پہچانتے ہیں۔میں ان کو قمر گونڈوی کے حوالہ سے اوران کے دوست کی حیثیت سے جانتا ہوں۔

وسیم صاحب کی شاعری کی ایک یہ بھی خوبی ہے ان کے یہاں روایت سے انحراف نہیں ہے مگر عصر حاضر کے شاعرانہ تقاضوں کو وہ روایتی غزل میں پورا کرنے کی پوری مہارت رکھتے ہیں مثلاً۔

تمام رات وہ پڑھتی رہی وہی ناول
کہ جس کے ہیرو پر میرا گمان ہوتا تھا

یا

کون سی بات کہاں کیسے کہی جاتی ہے
یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے

وسیم صاحب آج کے شاعروں میں اہم مقام کے حامل ہیں۔فطرت انسانی کے عین مطابق شعر کہتے ہیں۔ یہ وصف حضرت جگر مرادآبادی کی شاعری میں ملتا ہے۔وسیم تخلیقی دردمندیوں کے شاعر ہیں۔ دنیا کے ہر کر وفر سے بلند ہیں وسیم صاحب کی شاعری میں کیٹس ، شیلے ،داغ ،فانی ،حسرت ،اصغر ،جگر ، کا رنگ تغزل ملتا ہے۔وسیم اپنے انھیں بزرگوں کے اسکول کے کامیاب و منفرد نیز اچھوتے لب ولہجہ کے بہت ہوش منداور کامیاب شاعر ہیں یہی سبب ہے کہ رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری اور حضرت نشور واحدی وسیم کو جمالیات والہٰیات کا بڑا شاعر مانتے ہیں۔زندگی کوخوب سے خوب تر بنانے کا گر وسیم کی شاعری میں مجھے ہر جگہ ملا ہے، کیا خوب فرماتے ہیں ۔

میں اس سے نظریں ملاتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
کہ آنکھوں آنکھوں میں وہ ذہن پڑھنے لگتا ہے

نفسیات کے ماہر شاعر فراق صاحب تھے، بہت دنوں بعد اس مزاج کے شاعر وسیم بریلوی نظر آئے۔ میں نے وسیم کو مشاعروں میں ریڈیو پر ٹی وی پر اور ان کے متعدد مجموعوں میں خوب سنا اور پڑھا ہے۔وسیم کی سچی کھری بااعتبار غزل گوئی سے بہت متاثر ہوں، ان کا یہ شعر میرے کانوں میں ہر وقت رس گھولتا رہتا ہے ۔

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دے گا
خواب جس کے ہیں وہی نیند نہ آنے دے گا

جی یہی چاہتا ہے وسیم بریلوی کی فطری شاعری پر خامہ فرسائی جاری رہے مگر مجبوری یہ ہے کہ عمر کے آخری سفر میں ہوں، بینائی بھی رخصت ہو رہی ہے،ضعف ونقاہت کا وہ عالم ہے کہ اللہ کی پناہ ہاتھوں میں رعشہ، نہ وہ پہلا جیسا دل میں جذبہ ہے، نہ وہ اُمنگ بقول قمر گونڈوی ۔

بہت نزدیک جانے کی گھڑی ہے
اجل جیسے مرے سر پر کھڑی ہے

اللہ پاک وسیم کو چاق و چوبند رکھیں اور خدمت اردو جاری رہے، آمین

# ایک شاعر وسیم بریلوی

سید امتیاز الدین

اردو شاعری اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد ہے۔ مشاعرے اردو شاعری کا جز ہیں۔ میرؔ و غالبؔ کے دور سے لیکر آج تک مشاعروں کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے۔ کلاسیکی شعرا میں مومن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنا کلام ترنم سے سناتے تھے۔ ہم نے اپنے بچپن میں جن شعراء کو ترنم سے پڑھتے ہوئے سنا ان میں حضرت جگر مرادآبادی اور بہزاد لکھنؤی کے نام قابل ذکر ہیں جب ذرا ہوش سنبھالا تو مجروحؔ سلطان پوری، خمارؔ بارہ بنکوی، شمیم جے پوری، شکیلؔ بدایونی کو سنا اور محظوظ ہوئے، عام طور پر سامعین کا مزاج ایسا ہو گیا ہے کہ مشاعروں میں ترنم سے پڑھنے والے شعرا تحت الفظ پڑھنے والے شاعروں سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں جوشؔ ملیح آبادی، سردارؔ جعفری، کیفیؔ، اعظمی اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مشاعروں میں اچھے ترنم کے سبب کامیاب ہو جانا کسی شاعر کے اچھے ہونے کی سند نہیں ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جو شعرا محض مشاعروں کے ہو کر رہ گئے ہیں ان کی نیّا ڈوب گئی اور ان کے دنیا سے گذر جانے کے بعد کسی نے ان کو یاد بھی نہیں رکھا۔ اچھا شاعر وہ ہے جو اپنے ترنم سے نہیں اپنے کلام سے پہچانا جائے۔ وسیم بریلوی ان چند خوش نصیب شاعروں میں سے ہیں جو محض اپنے دل نشیں ترنم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے دل نشیں کلام کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

میں نے وسیم صاحب کو پہلی دفعہ ۱۹۷۵ یا ۱۹۷۶ میں حیدرآباد کے ادبی ٹرسٹ کے کل ہند مشاعرے میں سنا۔ میرے بڑے بھائی شاذؔ تمکنت صاحب مرحوم اکثر کل ہند مشاعروں میں

شرکت فرماتے تھے جہاں عابد علی خاں صاحب اور جناب محبوب حسین صاحب (مرحوم) (بانی مدیران روزنامہ سیاست حیدرآباد) ہر سال دو دو مشاعرے اپنی زیرنگرانی منعقد کیا کرتے تھے ایک مشاعرہ تھا جس کا نام شنکر جی مشاعرہ کہلاتا تھا جو حیدرآباد کل ہند صنعتی نمائش کے زیر اہتمام ہر سال مارچ میں منعقد ہوتا تھا اور دوسرا مشاعرہ ادبی ٹرسٹ کا مشاعرہ کہلاتا تھا اور یہ ہر سال مئی کے مہینے میں ہوتا تھا اب بھی شنکر جی والا مشاعرہ پابندی سے ہوتا ہے۔ چونکہ شاذؔ تمکنت صاحب کل ہند مشاعروں (جن میں سب سے اہم مشاعرہ ڈی۔سی۔ایم کا مشاعرہ دہلی میں منعقد ہوتا تھا) میں شریک ہوتے تھے اس لئے عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب حیدرآباد کے مشاعروں میں شعرا کو مدعو کرنے کے سلسلے میں شاذؔ صاحب سے مشورہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ کسی ایسے شاعر کا نام بتائیں جو کل ہند مشاعروں میں کامیاب رہتا ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ سردار جوگا سنگھ انورؔ، بیگم ممتاز مرزا اور وسیم بریلوی حیدرآباد کے مشاعروں میں سب سے پہلے شاذؔ صاحب کی تجویز پر بلائے گئے تھے، ہاں تو میں بات کر رہا تھا وسیم صاحب کی حیدرآباد میں پہلی بار آنے کی۔ وسیم صاحب جب پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انھوں نے ازراہِ قدردانی سامعین کو مخاطب کر کے کہا، شاذ تمکنت کے شہر میں پہلی بار حاضر ہوا ہوں (ہاں ایک بات عرض کر دوں کہ مخدوم اس وقت تک وفات پا چکے تھے) چونکہ شعرا میں آپسی چشمک رہتی ہے اسی لئے شاید بعض مقامی شعرا کو یہ بات اچھی نہیں لگی چنانچہ ایک صاحب بول اٹھے بھئی یہاں اور بھی شعرا ہیں۔ وسیم صاحب نے بڑے اخلاق سے فرمایا یقیناً ہونگے مگر میں ان سے واقف نہیں ہوں اس کے بعد وسیم صاحب نے نہایت پرسوز ترنم میں ایک بڑی خوبصورت غزل سنائی اور مشاعرے پر چھا گئے، شاید اس کے بعد انھوں نے سامعین کے اصرار پر کچھ اور کلام سنایا۔

محترم قمر گونڈوی صاحب جب اپنی کتاب کے لیے مضمون کے طالب ہوئے تو مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا اور وسیم صاحب کی صورت آنکھوں میں پھر گئی۔ خادم جگر قمر گونڈوی بھی آندھرا پردیش اردو اکادمی کی تقریب میں آ چکے ہیں اب حال یہ ہے کہ میں بھی قمر بھی وسیم بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔

ابھی بھی .TV۔ پر اردو کے ہفتہ وار مشاعرے میں وسیم بریلوی کو شوق سے سنتا ہوں۔ امتدادِ زمانہ کے سبب وہ معمر یا بوڑھے دکھائی دیتے ہیں لیکن کلام میں پختگی آ گئی ہے اور ترنم کی

دل کشی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

وسیم صاحب بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے کلام میں خاندانی پس منظر اوراعلیٰ تعلیم کی وجہ سے ایک منفرد قسم کی شائستگی پائی جاتی ہے ان کا کلام پڑھتے ہوئے لگتا ہے جیسے ہم کسی وضعدار اور شریف النفس انسان کی صحبت میں بیٹھے ہوئے ہیں جو ہمارے دل کی بات اپنے اشعار کی وساطت سے ہمیں کو پہونچا رہا ہے۔ میں اکثر اپنی خلوتوں میں وسیم بریلوی کے بعض اشعار بے ساختہ گنگنانے لگتا ہوں چند اشعار آپ بھی دیکھئے۔

جہاں رہیگا وہیں روشنی لٹائیگا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

☆

میں نے مدّت سے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے
ہاتھ رکھ دے مری آنکھوں پہ کہ نیند آجائے

☆

مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

☆

میں چل رہا ہوں کہ چلنا بھی ایک عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جائیگا

☆

تعلق توڑ دو لیکن مجھے اتنا تو بتلاؤ
پھر اس کے بعد دنیا میں مری پہچان کیا ہوگی

☆

ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے سے کیا حاصل
اداسیوں کی کوئی شہریت نہیں ہوتی

وسیم بریلوی کی شاعری محض دماغ کی نہیں دل کی شاعری ہے ان کے یہاں جذبے کی تڑپ ہے زبان کی نزاکت ہے اور خیال کی ندرت بھی ہے۔

قمر گونڈوی نے وسیم پر تحقیقی کتاب تیار کی ہے مجھے یقین ہے کہ اس خوش گو شاعر پر اردو کے طالب علم ابھی بہت کام کرینگے بقول شاعر۔

ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے
وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا

☆☆☆

## میرا پسندیدہ شاعر وسیم بریلوی

ایم۔اے۔قدیر

میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں وسیم بریلوی کا کلام سنا ان کے ترنم اور دل نشیں تغزل نے بہت متاثر کیا پھر دھیرے دھیرے وہ میرے پسندیدہ شعرا میں ہو گئے یہ غالباً ۶۸۔۱۹۶۷ء کی بات ہوگی۔ان کے بہت سے اشعار یاد ہو گئے اک شعر یہی تھا۔

میری زیست کا جنازہ کہ جو راہ وقت میں ہے
جو تھکیں گے دن کے کاندھے تو سپرد شام ہوگا

ابتداًوہ جس شاعری سے پہچانے گئے وہ حزن و یاس سے عبارت تھی جس کی بنیاد میں غزلیہ روایت تھی۔جس زمانے میں وہ مشاعرے کی دنیا میں داخل ہوئے اس وقت اس لہجے کی شاعری کا فقدان تھا۔شیلے کا قول ہے کہ ''ہمارے شیریں ترین نغمے وہ ہیں جو غمگین ترین خیالات کے ترجمان ہیں'' ان پر صادق آتا تھا۔

اردو غزل کے پارکھ ایک نئے فانی بدایونی کی تعمیر و تشکیل دیکھ رہے تھے جب انھوں نے شاعری شروع کی تو جدیدیت کا دور شباب تھا مگر وہ اس ریلے میں نہیں بہے اور غزل کی روایت کو مضبوطی سے پکڑے رہے مگر جیسے جیسے وہ مشاعروں میں معرکے سر کرتے گئے اور جیسے جیسے مشاعروں کی زمین اردو کی نئی بستیوں تک پھیلتی گئی دانستہ یا غیر دانستہ ان کی شاعری میں مشاعراتی ضرورت در آئی ، وہ جدید شعر بھی کہنے لگے ،ترقی پسند شعر بھی ، ان کا کینوس وسیع ہوا حالات حاضرہ کے مسائل سے بھی کام لینے لگے اب یہ عالم ہے کہ وہ کہیں کہیں کوئی ایسا بھی شعر نکال لیتے ہیں جو

چونکا دینے والا ہوتا ہے لیکن اس شعر کی غزل میں وہ معیار باقی اشعار میں نہیں ملتا۔

آج وہ مشاعروں کے حوالے سے بین الاقوامی شاعر ہیں مگر وہ اپنا اصل رنگ ''نقش اوّل'' برقرار نہ رکھ سکے اور نقش ثانی کوئی رنگ نہ پکڑ سکا۔ آج وہ جو شاعری کر رہے ہیں وہ ان کی پہچان بنانے سے قاصر ہے یہ وقت ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کریں اپنی شاعری کا ازخود انتخاب کریں اس سے قبل کہ کوئی ناقد اپنی جراحی سے رطب و یابس پر نشتر مار دے چونکہ ابھی ان کا تخلیقی سوتا سوکھا نہیں ہے لہٰذا امکانات معدوم نہیں ہوئے ہیں وہ خود کو اس تخلیقیت پر مرکوز کر سکتے ہیں جو عدم ترنم اور مشاعروں کے سلسلے کے انقطاع پر بھی ان کی پہچان اور عظمت کی ضامن ہو۔

آج وہ (Afford) کر سکتے ہیں۔ ورنہ بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے جو شعرا مشاعروں کی اڑان کو اپنی منزل گردان لیتے ہیں صحرائے ادب میں اپنے حصے کی زمین ڈھونڈھتے ہیں مگر تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے ذاتی طور پر تو میں اپنے پسندیدہ شاعر کو اسی بلندی پر دیکھنے کا متمنی ہوں ان کی شاعری کی مدافعت میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں کہ اس میں آگے جانے کی potentiality وافر ہے۔

# یہ اک چراغ کئی آندھیوں پہ بھاری ہے

اصغر ویلوری

وسیم بریلوی بحوالہ میر سنگ میل مراد آباد (ڈویژن) کے کسی بہت بڑے زمیندار کے لڑکے ہیں جن کے پاس راجاؤں کی طرح تین سواسّی گاؤں تھے وسیم صاحب روہیلکھنڈ یونیورسٹی کے ڈین فکلٹی آف آرٹس کے معزز عہدہ پر رہ چکے ہیں نیز میرٹھ کے کسی نواب کے داماد ہیں بریلی کے کسی بہت بڑے وکیل کے نواسے ہیں آزادی کے بعد نہ زمینداری رہ گئی نہ خاندانی رئیس زادے رہ گئے اس کے باوجود حضرت وسیم بریلوی اردوادب کی کئی زرخیز زمینوں کا اپنے نام پٹہ کرواکے اپنی گئی زمینداری کا انتقام لے لیا۔ یہ بھی خوش قسمتی کہئے کہ کالج کے زمانے ہی سے مجھے کل ہند مشاعروں میں شرکت کے مواقع فراہم ہوتے رہے جس وقت میری عمر ۲۰/۲۱ سال ہو گی ۔ مجھے رب العزت نے بزرگ ہستیوں کے ساتھ مشاعرے پڑھنے کے زریں مواقع عطا کئے اور ان بزرگوں کی صحبت میں گھنٹوں بیٹھنے ادبی گفتگو کرنے کا شرف بھی عطا ہوا۔ جن دانشوروں اور شعرائے کرام کے ساتھ مجھے غزل سرائی نصیب ہوئی میں اس آدھی صدی کے بعد سب کے نام تو نہ گنوا سکوں گا بلکہ ان گنے چنے بلند ہستیوں کے جو میرے ذہن میں ہیں اور جنکی یادیں تازہ ہیں اور جب ان لمحوں کو یاد کرتا ہوں تو میرا قد اونچا نظر آنے لگتا ہے نمدیدہ ہو جاتا ہوں میری مراد ہے رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، امجد حیدرآبادی، واقف مرادآبادی، ماہر القادری، فراق گورکھپوری، جگناتھ آزاد، جوش ملسیانی، ساحر لدھیانوی، ساغر نظامی، نوشاد، شکیل بدایونی، خمار بارہ بنکی، احمد فراز، فیض احمد فیض، حبیب جالب، قتیل

شفائی، قمر جلال آبادی، سردار جعفری، اعجاز صدیقی، ضیا فتح آبادی، اور بہت سی معزز شخصیتیں اور شعرا جن سے ایک مدت تک گہرے مراسم رہے جگر صاحب، فراق صاحب، شکیل صاحب میرے ہی بنگلہ پر قیام فرماتے تھے۔

موجودہ دور کے شعراء کرام جو باحیات ہیں اور ان کی عمر درازی کے لیے دعا گو ہوں ان کی بھی اک طویل فہرست بن سکتی ہے میں صرف ان فنکار اور دانشوروں کا نام لے رہا ہوں جن سے میری ملاقات بھی ہے اور شاعرانہ گہرے مراسم بھی ہیں اور چند حضرات وہ بھی ہیں جن سے قلمی دوستی ہے چند اسمائے گرامی۔

شمس الرحمان فاروقی، فیاض فاروقی، (IPS)، پروفیسر قمر رئیس، مخمور سعیدی، ناوک حمزہ پوری، افتخار امام صدیقی، ندا فاضلی، سلیمان اطہر جاوید، مظفر حنفی، پروفیسر قاضی عبید، بیکل اتساہی، مناظر عاشق ہرگانوی، محسن جلگانوی، اور قمر گونڈوی و دیگر چند حضرات۔

دانشور حضرات کا ایک طبقہ ہے فہرست بہت لمبی ہے لیکن یہ تمام حضرات ادبی رشتے سے میرے بہت قریب ہیں جیسے یہ اک شعر

دور رہ کر تو دل میں رہتے ہو
پاس آکر کہاں رہو گے تم
قمر گونڈوی

جن شعرا نے مجھے بہت متاثر کیا مگر اب تک ملاقات سے محروم ہوں ان میں جناب وسیم بریلوی بھی ہیں۔

ان کا کلام اکثر مشاعروں کی رپورٹ میں پڑھ لیا کرتا ہوں اور آئے دن T.V پر کل ہند یا ہندو پاک مشاعرے یا خلیجی مشاعرے Telecast ہوتے ہیں یہ بھی وسیم صاحب کو سننے اور دیکھنے کے لائق ہوتے ہیں تو دیکھ لیا کرتا ہوں میں نے جناب وسیم بریلوی کو دیکھا سنا اور ان کی قدآور شخصیت کا اندازہ لگایا۔ وہ مشاعروں کی محفل کی آبرو ہیں بابرکت بھی ہیں پوری محفل کی محفل ان کو سننے کے لئے منتظر رہتی ہے جونہی ان کے نام کا ناظم مشاعرہ اعلان کرتا ہے تو نوجوان خوش ہو جاتے ہیں سن رسیدہ سنجیدہ ہو جاتے ہیں بہت سے سامعین قلم کاپی نکال کر یوں سنبھل کر بیٹھتے

ہیں گویا پروفیسر کوئی لکچر دینے والا ہے۔ یہ مناظر میں نے دیکھے ہیں یہ ہے وسیم بریلوی کی شہرت کا حال اور قدر دانی کا قصہ میں بہت ہی نایاب اور خوبصورت کتابیں اپنی لائبریری میں رکھتا ہوں ان میں اکثر کی خاص اہمیت ہے کہ ان پر مصنف کے دستخط ہیں یہ کتب خانہ میرے لئے قیمتی اثاثہ ہے اس سلسلے میں مجھے یہاں اپنی ایک رباعی پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔

مضبوط ہے ان سے بڑا رشتہ میرا
ہر ذوق ادب ان سے ہے زندہ میرا
لگتے ہوں یہ اوراق تمہیں پارینہ
لیکن یہ کتابیں ہیں اثاثہ میرا

دکھ کی بات ہے کہ میری لائبریری میں وسیم بریلوی کی نہ کوئی کتاب ہے اور نہ ان پر لکھا ہوا کوئی مقالہ، جب میں نے ان پر قلم اٹھایا تو بے بس ہو گیا میری خوش قسمتی سے میری نظر میرے کرم فرما قمر گونڈوی کی تصنیف کردہ شاہکار کتاب پر پڑی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں، جس میں قمر نے اپنے کئی دوست شعرا کا مفصل تعارف کرایا ہے وسیم صاحب کے لئے بڑی تفصیل سے لکھا ہے اس مضمون میں وسیم صاحب کے بارے میں مجھے لکھنے کے لیے کافی مواد مل گیا جیسے کہ کہہ چکا ہوں وسیم ایک جاگیر دار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں کلاس ون پوسٹ سے ریٹائرمنٹ لیا تو کلاس ون کی شاعری کی اردو لٹریچر کا کارنامہ دور دیشوں تک پہنچایا اس طرح وسیم نے پورے ورلڈ میں ہندوستان کی طرف سے اردو کی نمائندگی کے فرائض انجام دئے اور اس ادبی تاریخ کی بنیاد رکھی کہ اردو مشاعرے میں عام رواج ہے غزل سرائی کا اور انھوں نے بیرون ہند کے ہر مشاعرے میں میرؔ اور فانؔی بدایونی کی یاد تازہ کی یہ اخبار میری نظروں سے ابوظہبی میں گذرا جہاں میں اور شمس الرحمان فاروقی دونوں ایک ادبی تقریب میں شریک تھے۔

ان کی عمر کا بیشتر حصہ اردو کی جائز خدمت میں گزری ہے اور گزر رہی ہے اور اک باقرینہ بڑے شاعر کا قد وسیم کو حاصل ہے قمر گونڈوی اپنے مضمون میں کہہ رہے ہیں:

''اشعار و غزل میں مزید کسک پیدا کرتے ہیں بلا مبالغہ عرض کروں وسیم کی غزل سامع کو آبدیدہ کر دیتی ہے۔ وسیم صاحب کے کلام میں سوز و گداز کشش غنائیت روز اول سے موجود

ہے وسیم غزل پڑھنے کے معاملہ میں بے حد سنجیدہ ہیں نہ تب اداکاری دکھاتے تھے نہ آج دکھاتے ہیں غزل کے ساتھ جو خلوص سادا پن ہے وہی آج بھی بیساختگی ان کی غزلوں میں موجود ہے''

جناب فراقؔ گورکھپوری نے وسیم کے اک شعر ؎

مری حیات میں شاید وہ موڑ چھوٹ گئے
بغیر سمتوں کی راہیں جہاں نکلتی ہیں

فرماتے ہیں اعلیٰ فکر اور صالح جذبات کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے مگر اجمال کی توجہ سے انھوں نے خود کو بچالیا کیونکہ بغیر سمتوں کی راہیں تلاش کرنے میں ہزار صدی پیچھے جا کر واپسی کا سفر شروع کرنا ہے یہ کام بڑا جوکھم ہے وسیم اشارے کنائے میں باتیں کر کے اپنے تبصرہ نگاروں کا امتحان لے رہے ہیں۔

میں چل رہا ہوں کہ چلنا بھی ایک عادت ہے
یہ بھول کر کہ یہ رستہ کہاں کو جائے گا

یہ احساسات وخیالات فراقؔ صاحب جیسے عظیم دانشور بڑے شاعر کے وسیم صاحب کی تخلیقات کے بارے میں ہیں۔(از میر سنگ میل)

وسیم بریلوی پر قلم اٹھانا ان پر لکھے ہوئے چند جملوں کی مدد سے ان کی شاعری و شخصیت پر قلم برداشتہ ہونا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ وسیم کی شاعری پر ایک منجھے ہوئے نقاد علم وہنر کی ضرورت ہے کیونکہ وہ اپنی شاعری میں ہفت آسماں سے کم نہیں، ان کی نثر بھی بہت بلیغ اور تہہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے سامعین اور شائقین حضرات کے درمیان خارجی اور روحانی دونوں طرح کے تعلق رکھتے ہیں اور سبھی کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے ہیں۔

ان کی شاعرانہ نازک خیالی اور بلندی ہر دل عزیز ہے۔ وسیم اندر اور باہر دونوں طرح سے ہمیں سو فیصد شاعر نظر آئے۔ ہم نے ان کے بارے میں کتاب میں جو پڑھا ہے وہ یہی پڑھا ہے جو شعر سنے ہیں ان کا بھی اجمالی ڈھانچہ غور وفکر کی دعوت دیتا ہے مثال کے طور پر دو شعر پیش کرتا ہوں۔

دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت
یہ اک چراغ کئی آندھیوں پر بھاری ہے

☆

مجھے بے دست و پا کر کے بھی خوف اس کا نہیں جاتا
کہیں بھی حادثہ گزرے وہ مجھ سے جوڑ دیتا ہے

ان اشعار میں زندگی کے تجربات و تجزیہ شعری زبان میں پیش کیا ہے وہ وسیم کی شاعرانہ مشاقی کا استادانہ اور دلبرانہ و مردانہ تجربہ ہے جو ذہن و دل دونوں کو متاثر کرتے ہیں۔ دوئم یہ کہ اس میں روایتی فن دور جدید پر جلا کرتے نظر آتے ہیں ہمارے بزرگ شعرا پتھر پر جلا فرما کر اسے آئینہ بنا دیتے ہیں وسیم نے یہ ہنر بزرگوں سے سیکھا ہے میں نے بھی یہی روایت پڑھی ہے ورنہ آج کی شاعری دھر پیٹخ والی شاعری حقائق کا آئینہ نہیں ہے۔ بقول وسیم بریلوی

کون سی بات کہاں کیسے کہی جاتی ہے
یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے

☆

محبت کے یہ آنسو ہیں انھیں آنکھوں میں رہنے دو
شریفوں کے گھروں کا مسئلہ باہر نہیں جاتا

مشاعروں میں وسیم بریلوی کی موجودگی سے آج کے مشاعروں کا وقار بڑھ جاتا ہے اور مشاعرہ سننے والے مشاعرہ دیکھنے والے دونوں وسیم کو بڑی محبت سے سنتے ہیں۔ کوئی وسیم کا دل سوز ترنم سن کر آبدیدہ ہو جاتا ہے کوئی وسیم کی تہہ دار شاعری میں ڈوب جاتا ہے۔ میں قمر صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں مجھے وسیم بریلوی کی شاعری کے بارے میں کچھ کہنے سننے کا موقع دیا میں اپنے اس شعر پر اپنی بے لوچ تحریر کا اختتام کرتا ہوں۔ ؎

یہ اصغؔر ہی کا کچھ دعویٰ نہیں بین حقیقت ہے
جنوبی ہند میں اب بھی ہیں لاکھوں اہل فن ساقی

☆☆☆

# میرا برادرِ خورد وسیم بریلوی

ڈی۔این آریہ

مرحوم مغفور سر سید احمد خاں نے حالیؔ کے مسدس کو ایک عہد ساز تخلیق قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا ''اگر روز محشر اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ میں نے تم کو دنیا میں بھیجا تھا تم وہاں سے کیا لائے تو میں کہہ دوں گا حالیؔ سے یہ مسدس لکھا کر لایا ہوں''

اسی مسدّس کی تنقید پروفیسر ذکا اللہ نے کی جس کا آغاز انھوں نے عربی زبان کی اس دعا کے ساتھ کیا جسکا مطلب ہے یا اللہ تو مجھے وہ توفیق عطا فرما کہ جس کسی بھی شئے میں جیسا دیکھوں اور سمجھوں اسکو ٹھیک اسی طرح بیان کر سکوں؟ وسیم بریلوی کے بارے میں قلم اٹھانے سے قبل اس حُسن نیت سے میں بھی اللہ پاک کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ میرا وسیم سے وہ ذاتی جذباتی اور برادرانہ رشتہ ہے جو رام پرشاد بسملؔ کا اشفاق اللہ خاں سے تھا۔

وسیم بریلوی سے میرا جذباتی ذہنی رشتہ چالیس سال سے ہے 1967 میں میرا تبادلہ بریلی ہوا جہاں میری وسیم سے ملاقات وہاں کی ایک معزز باغ و بہار شخصیت جناب بابو بھائی کے توسط سے ہوئی۔ اس وقت تک میں وسیم بریلوی کے نام سے واقف نہ تھا۔ ہماری اوّلین ملاقات کا وہ زریں لمحہ دنوں مہینوں اور سالوں میں تبدیل ہونے کے باوجود اپنی نمایاں سر سبز کیفیات کے ساتھ ذہن میں آج بھی سر سبز اور تازہ ہے ملاقات کا سلسلہ دراز ہوتا رہا اور بالآخر ہمارے درمیان ایک توانا برادارانہ رشتہ استوار ہو گیا جو بحمد اللہ آج تک برقرار ہے۔ میں وسیم کے والدین کو نہایت جذباتی اپنائیت کے ساتھ ابا اور امی کہنے لگا اور انھوں نے (اللہ انھیں بخشے) میرے سر پر اپنے

دست شفقت کا سایا کر دیا۔ وسیم کی شادی 1975 میں ہوئی جب میں الٰہ آباد آچکا تھا۔ شادی سے قبل مجھے ابا کا ایک خط وسیم کی ہونے والی دلہن کی تصویر کے ساتھ ملا جس میں ابا نے کہا تھا کہ شادی کے متعلق ساری باتیں طے ہو چکی ہیں اور اب صرف تمہاری رضامندی کی ضرورت ہے جس کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی ابا کا اتنا غیر معمولی اعتماد مجھ پر؟ میں حیران اور ششدر ہو گیا۔ اس کا ذکر میں نے وسیم سے کیا اور اس سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد ابا کو فوراً اپنی و بیگم کی رضامندی کا خط روانہ کر دیا۔ شادی کی تقریب میرٹھ میں منعقد ہوئی جس میں ہم اپنے چند احباب کے ساتھ بڑی تیاری اور جوش وخروش سے شریک بارات ہوئے۔

فی زمانہ وسیم بریلوی ایک مقامی، قومی، اور عالمی محبوبیت کے حامل خوش فکر خوش اسلوب اور خوش نما غزل گو گیت کار اور ایک طرح دار شاعر و فنکار ہیں۔ چالیس سال قبل اپنے بریلی قیام کے دوران میری مردم شناس نظروں نے وسیم کے اندر چھپے سچے کھرے سخنور کو پہچان لیا تھا۔ تبھی میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ وسیم کو اس بلند مقام تک پہونچانا چاہئے جسکا بلاشبہ وہ اہل ہے (اس امر کو میں نے اپنا مشن بنالیا لہٰذا اسکو عملی شکل دینے میں نہایت خلوص اور ادبی حکمت عملی سے شب و روز منہمک ہو گیا) اپنے سینئر افسر جناب بھگت کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے میں نے وسیم کو ان سے ملوایا تا کہ اپنے منصوبہ کی کامیابی کے لئے بھگت صاحب کی حمایت حاصل رہے۔ اس دور میں وسیم مقامی طور پر ایک محدود حلقے تک ہی متعارف تھے۔ میں نے ان کو اجاگر کرنے کی غرض سے اک مقامی مشاعرہ کا انعقاد بریلی کلب میں کیا جس میں وسیم کو مرکزی و اعزازی طور پر شریک مشاعرہ کیا۔ اس میں شہر کے تمام عمائدین (چھوٹے بڑے) صوبائی سطح کے افسران بحیثیت مہمان شامل تھے۔ اس مشاعرے کے ذریعہ بریلی کی اشرافیہ میں وسیم کا باقاعدہ تعارف ہو گیا پھر کیا تھا آئے دن جگہ بہ جگہ وسیم کو لے کر شعری نشستوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور جلد ہی وہ بریلی کے خواص کے محبوب شاعر ہو گئے نچلے طبقے والے بھی خواص کی دیکھی دیکھا وسیم کی قدر و منزلت دل سے کرنے لگے۔

اس طرح میرے منصوبے کا پہلا مرحلہ خوشگوار رہا۔ اب مطمح نظر تھا وسیم کو ملک گیر قومی حیثیت فراہم کرنے کی جس کے لئے ضرورت تھی ''جشن وسیم'' کے نام سے عظیم الشان کل ہند

مشاعرے کے انعقاد کی۔اس کا ذکر بھگت صاحب سے کیا اور انھوں نے میری تجویز پر اپنی رضا مندی کی مہر ثبت کر دی جس کے بعد میں کھل کر میدان عمل میں آ گیا۔اس دورانیہ میں ایک اوسط مشاعرہ بیس ہزار میں ہو جاتا تھا لیکن میرا منصوبہ بہت بلند تھا یہاں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ اس ناچیز کا شمار بریلی کے ہر دلعزیز باوقار افسروں میں تھا جس کی باتوں کو وہاں لوگ بڑی اہمیت دیتے تھے۔صورت حال موافق دیکھ کر میں نے ایک بڑا مقامی مشاعرہ وہاں کی ماچس فیکٹری کے آڈیٹوریم میں منعقد کیا صدارت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ آر کے دردنے کی اور شہر کے دولت اور صاحب اقتدار اشخاص اس میں بطور مہمان و دیگر سامعین شامل تھے جنھیں میں وسیم بریلوی کا دیوانہ بنا چکا تھا۔ مشاعرے کے آخر میں میں نے جشن وسیم کی تجویز اور اس پر ہونے والے مصارف کا گوشوارہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ سب کے سامنے پیش کیا اس تجویز کی سب نے بڑے تپاک سے تائید کی اور اسی وقت رقم کی فراہمی کا وعدہ بھی کر لیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت کا پچاس ہزار کا عطیہ آج پانچ لاکھ کے مساوی ہے۔آخرالامر 6فروری 1972 کو جشن وسیم کا یادگار تاریخی مشاعرہ نہایت آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوا جس کی خصوصیات قابل ذکر ہیں۔

مشاعرہ میونسپل بورڈ کے میدان میں ہوا جس کے پنڈال، اسٹیج، روشنی اور مائک وغیرہ کے سارے مصارف میرے کہنے سے بورڈ نے خود برداشت کیے۔ مشاعرہ کی صدارت ہیم وتی بہوگنا مرکزی وزیر نے کی، نظامت کے فرائض پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے انجام دیئے اور مشاعرے کا افتتاح معروف فلمی گلوکار مہیندر کپور نے وسیم کی دو غزلیں یکے بعد دیگرے آلات غنا پر گا کر کیا۔

فراق گورکھپوری، خمار بارہ بنکوی، شاذ تمکنت، کرشن بہاری نور، تسنیم فاروقی، قمر گونڈوی، زبیر رضوی، انوار مرزاپوری، جیسے ممتاز شعرا شریک مشاعرہ تھے، اجنتا ہوٹل نے بلا کوئی Paymeat لئے اپنے 17 کمرے شعرا کے لیے Reserve رکھے یہ مشاعرہ وسیم کی سال گرہ کے موقع پر 8فروری کو کرنا چاہ رہا تھا مگر چونکہ مہندر کپور 6فروری کے آگے تاریخ دینے سے قاصر تھے اس لیے مشاعرہ 6فروری کو ہی منعقد کرنا پڑا۔

مشاعرے کی چند بے حد حسین یادگاریں جو میرے ذہن میں تصویر بن کر کھینچ گئی ہیں اور دست بستہ میرے روبرو کھڑی ہیں ''سرکار مجھ پر بھی چشم کرم'' لیکن خوف طوالت کا برا ہو دل تھام کر رہ گیا۔

سوئے اتفاق کہیے کہ اس عظیم الشان مشاعرے کی داستان مقبولیت کو دیکھ کر میرے وہی افسر جناب بھگت صاحب رشک و حسد میں مبتلا ہو کر میرے حریف بن گئے اور میرا تبالہ بریلی سے الہ آباد کروا دیا

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا
بن گیا رقیب آخر جو تھا رازداں اپنا

اس بے رحم سچائی کے سبب مجھے دلی صدمہ ہوا اور رد عمل ظاہر کرتے ہوئے میں نے 24 جولائی 1972 کو اپنے عہدہ سے استعفےٰ دے دیا آخر کار کمشنر نے مجھے لکھنؤ بلا کر سمجھایا بجھایا اور میرا استعفیٰ نامنظور کر دیا جشن وسیم کے تہذیبی نشاطیہ سے یہ خوشنما حادثہ بھی میری اردو خدمات کی ایک تاریخ بن گیا۔ اس سے قطعاً بے نیاز الہ آباد میں میری ادبی سرگرمیاں جاری رہیں اور تادم حیات جاری رہیں گی۔

میرے چند احباب خاص نے 4 مارچ 2004 کو الہ آباد جم خانہ میں جشن ڈی این آریا نام کی بڑی شاندار تقریب کا اہتمام کیا پورے شہر میں ہاہا کار مچ گئی آل انڈیا مشاعرے کا بھی پروگرام تھا احباب نے وسیم بریلوی کو بھی بلایا مگر وسیم کہیں اور مشاعرہ پڑھنے چلے گئے تو ہوا یوں میرے احباب نے مجھے خوب جلی کٹی سنائی اور میں یہ سوچ کر واقعی بہت شرمندہ ہوا کہ غلطی کرے برادر خورد وسیم بریلوی اور پکڑا جائے بڑا بھائی ڈی این (ا) آریا صاحب کا انداز شکوہ تو دیکھتے۔

''لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں'' سبحان اللہ سبحان اللہ، مجھے بھی یاد آیا میرے چھٹے شعری مجموعہ کی رسم اجراء کا مشاعرہ 8 مارچ 2008 کو تھا جو وسیم صاحب کو معلوم تھا مگر اسی تاریخ میں وہ مظفر پور کا مشاعرہ پڑھنے چلے گئے آریا صاحب کی اگلی تحریر۔

پروفیسر ملک زادہ ناظم مشاعرہ اپنے بیان میں فرماتے ہیں۔

''آریہ صاحب کا نام میں نے پہلی بار اس وقت سنا جب وہ بریلی میں برسر

اقتدار تھے اور وسیم کا جشن ہونے والا تھا پتہ نہیں انھوں نے وسیم کو تلاش کیا یا
وسیم نے ان کو، اغلب یہی ہے کہ آریہ کی نگاہِ جوہر شناس ان پر پڑی ہوگی۔
اور پھر کیا تھا وسیم اگر ایک طرف شہرت کی منزلوں کو طے کرتے رہے تو
دوسری جانب آریہ مختلف مشاعروں میں وسیم کی شرکت کے لیے کوشاں رہے
اور خود مسندِ صدارت پر رونق افروز رہے۔''

وسیم ایک مہذب اور باوضع شاعر ہیں، ان کے موضوع اور مناسب فکر وفن میں غنائیت وجدانی کیفیات، سوز ونغمہ، بے حد کومل اور نازک تخیل، برجستگی، شگفتہ، جوبن اسٹائل میں پاکیزہ سنگیت کا رس چھک اور لہک ایک ہو کر وسیم کا بن جاتا ہے۔ دراصل وسیم وہ شاعر اور وہ گیت کار ہے جہاں علم بصیرت بھی ہے چشم بصیرت بھی ہے الہیات بھی ہے رنگ تصوف بھی شعر تخلیق کرنے کا اچھوتا پن بھی ہے اور وسیم کے شعروں میں وسیم کی منفرد پہچان بھی، محبت کے پہلو بھی ہیں بے التفاقی و بے نیازی بھی جیسے کہ ہر بڑے شاعر کا روزِ اول سے انداز تجاہل عارفانہ رہا ہے اور تا ابد رہے گا بشرطیکہ وہ پیدائشی شاعر ہے۔ میرے دیرینہ شاعر دوست میرے قدرداں متعدد تصنیف کے خالق قمر گونڈوی بھی میری ہی طرح وسیم کے پرستار ہیں ان کے بارے میں جب تب اپنا کوئی نہ کوئی مضمون شائع کراتے رہتے ہیں جب انھوں نے مجھ سے مشورہ طلب کیا آریا صاحب آج کے شاعروں میں مجھے وسیم کی شاعری میں معیار نظر آتا ہے وسیم صاحب کے یہاں جمالیات بہت ہیں بہت پہلے سے طے کر چکا ہوں میں ان پر اک تحقیقی کتاب لکھ ڈالوں آپکی کیا رائے ہے تو میں نے جواب میں قمر سے کہا وسیم کی شاعری کا کینوس بین الاقوامی کینوس ہے جس کی گرفت بہت مشکل ہے قمر ہنس کے بولے وسیم شاعر ہیں مگر جگر، مجروح واصغر سے گجا چھوٹے ہیں آپ بتائیں آپ مجھے تعاون دینگے؟ میں نے تعاون کا وعدہ کرلیا قمر نے اپنا وعدہ وفا کیا۔ میرا یہ تفصیلی و بالکل برحق بیان جو وسیم کے بارے میں آپ کے پیش نظر ہے قمر گونڈوی سے کیا میرا وعدہ ہے یہاں ایک بات مزید بتادوں میری بیگم سرلا سے وسیم بریلوی کی والدہ فرمایا کرتی تھیں میری نظر میں آریا اور وسیم میں کوئی فرق نہیں یہ دونوں میری آنکھوں کے تارے ہیں۔

اللہ تعالیٰ وسیم اور قمر کی عمروں میں اور ان کی کاوشات میں برکت دیں۔ آمین

# بہارو،رکا کارواں

قمر گونڈوی

ابھر رہے فضاؤں میں سرخیوں کے غبار
کہیں قریب بہاروں کا کارواں تو نہیں

پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے گونڈہ میں آبسے ایک شاعر مزاج حکیم صاحب نے مصرع دیا تھا ''ہم بھی تری گلی میں صدا دے کے آئے ہیں''
میں نے بھی اس طرح میں غزل کہی تھی جس کے دو شعر اتفاق سے یاد آگئے۔

گزرے گا اسطرف سے بہاروں کا قافلہ
ہم فصل گل کو اپنا پتہ دے کے آئے ہیں
موقوف کچھ یہ سرمد و منصور پر نہیں
ہم بھی تری گلی میں صدا دے کے آئے ہیں

انھیں دنوں ایک لکھنوی شاعر کے بارے میں افواہ گرم تھی کہ یہ حضرت پاکستانی شعرا کے کلام کا چربہ اڑاتے ہیں اور انھیں دنوں منی بائی کسی پاکستانی شاعر کی غزل گاتی نظر آئی جیسے کہ میرا پہلا شعر ہے تو خیال گذرا یہ توارد ہے مگر پھر خیال گذرا اسے دیکھنے کی فرصت کسے ہے یہاں تو یاران طریقت کو ہنسی اڑانے کا بدنام کرنے کا کوئی خوبصورت موقع چاہیئے اور دل میں وہ ڈر سمایا کہ فوراً اس غزل کو بیاض سے خارج کر دیا اور انتقاماً اس مضمون کے سرخی میں جو شعر تخلیق کیا بعد میں اس کے متعلق فکر ہی نہ کی۔ ۱۹۹۲ میں جب میں نے مجروحؔ سلطانپوری فن اور شخصیت پر کام

کرنا شروع کیا انھیں دنوں یہ شعر کہا تھا شعر کی خوبی یہ ہیکہ مجھے سرخیوں کے غبار میں رنگ شفق اسلئے نظر آئے کہ مجروح بھائی بھی اپنے لب و لہجے کے اعتبار سے منفرد شاعر ہیں مگر اپنے فن میں جگر صاحب کا رنگ نہ آنے دیا جبکہ جگر کے دوسرے جگر پرستوں نے جگر کا رنگ اختیار کر کے نقصان اٹھایا مجروح صاحب کی طرح وسیم بریلوی بھی میؔر اور فاؔنی کے فن وشعر کے عاشق ہیں مگر اپنی غزلوں میں اپنی پہچان رکھتے ہیں وسیم کے شعر کسی بھی شاعر سے لگا نہیں کھاتے نہ وسیم نے کبھی کسی شاعر کے شعر کا تتبع کیا۔ ان کی شاعری بقول دلاور فگار صاحب خالص وسیمانہ شاعری ہے ۔مجروح صاحب کی طرح ان کا بھی مطالعہ بہت وسیع ہے۔ یہ بات میں اس لیے عرض کرر ہا ہوں کہ میں نے تو دس بارہ سال وسیم صاحب کا مشاہدہ کیا ہے ان کی شاعرانہ زندگی کے Record مہیا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور موصوف کی شاعرانہ زندگی کے لمحے لمحے کی خبر تحقیق وسیم میں درج کی ہے اتنا ضرور ہوا ہے کہ کہیں Record میں بحالِ مجبوری تسلسل برقرار نہیں رہ سکا اور نہ اس سلسلے میں مجروح صاحب کی طرح وسیم صاحب نے مجھے تعاون دیا۔

وسیم بریلوی کی شعر وشاعری کا ساری دنیا میں چرچہ ہے، شہرت ہے عزت ہے زمانے بھر میں بین الاقوامی شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں، مشاعرے کی محفل چاہے ہند میں ہو پاکستان میں ہو عربستان میں ہو خلیجی مما لک ہو انگلینڈ میں ہو امریکہ میں ہو کناڈا میں ہو شعرا کی جب لسٹ مرتب ہوتی ہے تو ملک ہند کے مشہور ومقبول شاعروں میں پروفیسر وسیم بریلوی کے نام کے بغیر بزم مشاعرہ کی لسٹ ادھوری لگتی ہے۔

یہ سب باتیں وسیم کی خارجی باتیں ہیں لیکن وسیم کا داخلی معاملہ بڑا پا کباز ہے۔ وسیم صاحب مشاعرہ کے سامعین کو منتظمین کو خوش کرنے کی خاطر اور سستی قسم کی واہ واہی بٹورنے کی خاطر شاعری نہیں کرتے۔ وسیم کی داخلیت میں اک جذبۂ رندانہ ہے جو انھیں شعر تخلیق کرنے کی شہہ دیتا ہے اس کیف ومستی میں خود بخود دل کے تار نغمہ زن ہوتے ہیں اور شعر کی صورت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں ایسے عالم میں جو شعر وجود میں آتے ہیں اسی کو شاعری کا درجہ حاصل ہوتا ہے ۔مرزا غالب اور سر ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی تمام کی تمام شاعری محض شاعری ہے۔ ہم نیز شاعروں کے یہاں بھی اپنے ان بزرگوں کے صدقے شاعری کے وجوہ پائے جاتے ہیں جس میں اصغؔر گونڈوی

، فانیؔ بدایونی، جگرؔ مرادآبادی، حسرتؔ موہانی کا نام نامی قابل ذکر ہے ہمارے معاصرین میں عرفان صدیقی اور پروفیسر وسیم بریلوی اپنے بزرگوں کی پیروی کرنے میں خود سے بھی بےنیاز ہیں۔ جب شاعر کے دل و دماغ پر شاعری کا سرور طاری ہوتا ہے اور اس عالم میں شعر کی صورت میں وہ جو کچھ کہتا ہے اسی شاعری کو قابل اعتبار شاعری مانا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ فراق گورکھپوری وسیم کو بڑا شاعر کہتے ہیں۔

وسیم صاحب ہمیشہ سے اپنے شاعرانہ مزاج کے مطابق شعر کہتے ہیں اور فی زمانہ وسیم غزل کے معیاری اور فائدہ مند شاعر ہیں۔ وسیم کی غزلوں کے اشعار بڑے چوٹیلے مترنم اور کیف آور ہوتے ہیں ۔ان کے یہاں شعروں میں تغزل کے ساتھ تصوف کا بھی لطف ہے بقول نشور واحدی:

> ''اس نزاکت طبع کے باوجود وہ قنوطی یاس پسند نہیں بلکہ حیات کے اس طویل شعری سفر میں انھوں نے جو نقش چھوڑے ہیں وہ رجائیت اور حوصلہ مندی، یقین کامل اور ایمان بالخیر کا پتہ دیتے ہیں اور یہ عناصر شعری ادب میں بڑی افادیت رکھتے ہیں۔''

نشور واحدی کانپور

وسیم صاحب اپنے ہر انٹرویو میں اس کا ذکر ضرور لاتے ہیں کہ مشاعروں کے سامعین کے معیار سماعت کی ذمہ داری شاعر کی ہے اور ہم تمام شاعروں کے لیے ضروری ہے کہ سامعین مشاعرہ و دیگر قارئین کے سماعتوں کو واجب طور پر برقرار رکھیں یہی وجہ ہے کہ مشاعروں میں وسیم کا مقام دیگر شاعروں سے بلند ہے۔

اپنے طور طریقے سے اپنے کلام کے حوالے سے وہ حسن اخلاق و محبت کے مبلغ بھی ہیں اور اس نظرئے کے پابند ہیں کہ سیاسی مسائل کو مشاعروں میں نہ لایا جائے بقول جگر مرادآبادی :

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

مزید کچھ اور باتیں کرنا میرے لئے مناسب نہیں کیونکہ اس وقت میں شاعری اور آرٹ کے بارے میں دوٹوک بات کرونگا'' افلاطون شاعری اور نقل در نقل مساوی مادیات کہہ کر اس

کا خوگر نہیں ہے مگر ہمارے دور کے نقاد افلاطون کے اس فلسفے کے بہت قائل بھی نہیں ڈاکٹر محمد حسن فرماتے ہیں۔ ''افلاعون نے اس داخلی عنصر کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ایک خارجی شے کی تمام تر تصاویر ایک ہی جیسی ہوں مادہ ایک معمولی اشاریہ ہے اور اس عام فلسفیانہ میدان کی بنا پر فن کو بھی اس نے حقیقت ناتمام کو ناتمام مادی عکس کے روپ کے حصے کی شکل میں پیش کیا ہے اور حقیقت نو کے اس عنصر کو فراموش کر دیا جو فنکار کی داخلیت کے شے کو موجودیت بخشتی ہے''۔

☆☆☆

# شہروں کو بلند عمارتیں نہیں، اعلیٰ خیالات زندہ رکھتے ہیں

قمر گونڈوی

13 دسمبر 2008 روزنامہ راشٹر یہ سہارا (لکھنؤ) نے وسیم بریلوی کے ایک بیان کی اخبار میں سرخی لگائی۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ شہر بریلی کی ایک ادبی تنظیم کے زیر اہتمام وسیم کو فراق انٹرنیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ شہر بریلی کے عام دانشور، شعرا نے اس ادبی محفل میں بڑے ذوق وشوق سے شرکت کی اس ادبی تقریب میں وسیم صاحب کو اکیاون ہزار کا چیک بھی پیش کیا گیا۔

اس تقریب کی شروعات ڈاکٹر سید علی نجابت ادیب کے خطاب سے ہوئی نیز ڈاکٹر نجابت نے وسیم بریلوی کی شخصیت اور ان کی منجملہ تخلیقات کا جائزہ پیش کیا اور وسیم کی اردو خدمات پر انھیں مبارکباد پیش کی، شعرائے بریلی نے منظوم سپاسنامے پڑھے کلام وسیم کو دور حاضر کا صاف وشفاف آئینہ بتایا۔

بعدازاں وسیم بریلوی نے اپنی مختصر تقریر میں کہا میں نے جب ادبی سفر شروع کیا تو اس وقت کئی ادبی محفلیں سرگرم تھیں مگر میرے یہاں کوئی آئڈیل نہ تھا اور میں نوجوان شعرا سے کہوں گا شہر کو بلند عمارتیں نہیں اعلیٰ خیالات زندہ رکھتے ہیں، شاعری کے سفر میں آپ کے پاس جتنا زیادہ سفر ہوگا آپ اسی کے مطابق کامیابی حاصل کریں گے۔

5 نومبر 2008 کو شہر بریلی میں جشن وسیم کی ایک ادبی تقریب بڑے دھوم دھام سے منائی گئی تھی۔ بریلی سے میری بھتیجی اور نواسوں نے مجھے فون پر اس کی اطلاع دی مگر میں اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے جشن وسیم بریلوی میں شرکت نہ کر سکا سچ تو یہ ہے عرصہ دراز سے میں وسیم

صاحب کے کام میں لگا ہوں لہٰذا میں اس جشن کے پل پل سے باخبر ہوں، شہر بریلی کے ہر خاص وعام نے بصد خلوص و بصد محبت اس محفل میں شرکت کر کے محفل کے وقار کو بلند کیا، مجھے یاد ہے جشن خمار بارہ بنکوی کی روداد، بھائی غیاث الدین قدوائی MLA سوونیئر کی صورت میں شائع کرایا تھا فلمی گویوں نے خمار صاحب کی غزلیں آلات غنا پر گا کر اس جشن میں چار چاند لگا دئے تھے۔ پولس لائن گراؤنڈ پر یہ تقریب منائی گئی تھی جس کی نظامت پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے کی اور صدارت کے فرائض نوشاد صاحب میوزک ڈائرکٹر نے ادا کئے تھے۔ خمار بھائی نے اس مبارک موقع پر مجھے شریک مشاعرہ کیا تھا (25 ستمبر 1993 بارہ بنکی) تب میں اور میری شاعری جوان تھی وسیم بریلوی کا بھی جشن غالباً اسی معیار یعنی جشن خمار کی طرح ہوا، وسیم صاحب کے جشن کے مشاعرے میں مقامی وبیرونی شعرا نے شرکت کی، نیز وسیم صاحب کی شاعری پر تبصروں کی بھر مار ہوگئی۔ اس موقع پر وسیم بریلوی کے مخالف گروپ نے بھی شرکت کی اور چند تبصرہ نگاروں نے وسیم پر سخت تنقیدی مضامین پڑھے اور صحت مند مشورے بھی دیے جسے وسیم نے خلوص دل سے قبول کیا یہ سن کر بخدا میں بہت خوش ہوا۔

میرا یقین ہے کہ ہر کامیاب فنکار، شاعر، ادیب، سیاستداں کا اک مخالف گروپ ہی اسے کامیاب بنانے کا ذریعہ ہے جگر فرماتے ہیں ؎

اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے

اے کفر ترے دم سے آرائش ایماں ہے

وسیم ایسے کئی موڑ سے گزرے ہیں (تب جا کے کہیں اپنے گلشن میں بہار آئی) مجھے چند اور بھی واقعات ملک کے مشہور ادیب وشاعر جناب معراج صاحب فیض آبادی سے معلوم ہوئے معراج اور وسیم آپس میں گہرے دوست ہیں۔

فراق انٹرنیشنل ایوارڈ وسیم صاحب کے دیگر ایوارڈوں میں اضافہ ہے جسکا ذکر اس کتاب میں آگے آئے گا۔ جشن وسیم کی اس تقریب میں کہتے ہیں بیش قیمت شال اوڑھائی گئی وسیم کو آبروئے بریلی کا خطاب ملا زوردار گلپوشی ہوئی میں دعا گو ہوں اللہ وسیم کی عزت اور عمر میں برکت دیں آمین۔

1940 سے پہلے غزل کے عظیم شاعر حضرت جگر مرادآبادی کا نام نامی ہوا کرتا تھا جگر صاحب

کی رحلت کے بعد حضرت خمار بارہ بنکوی کا صف اول میں نام ہونے لگا حالانکہ غزل کے بڑے شاعر فراق گورکھپوری بھی تھے مگر فراق صاحب غزل کو غزل کی طرح پڑھنا نہیں جانتے تھے مزاجاً سخت تھے کس وقت کیا کر گزریں اس کا انھیں خود بھی پتہ نہیں تھا جبکہ خمار صاحب کے لہجے اور غزل سرائی میں بڑی کیفیت تھی اب یہ انداز یہی ٹھہراؤ، یہی دلکش لہجہ وسیم کے یہاں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بلا تکلف ہندوپاک کے مشاعروں میں وسیم کو صف اول کا شاعر مان لیا گیا کیونکہ وہ آج سے بہت پہلے احمد فراز کی طرح غزل کی رمزیت کا شکار ہو چکے تھے بطور ثبوت عرض کروں ؎

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

وسیم پیدائشی عمدہ شاعر ہیں مگر غم پرست نہیں انھیں غزل کی جادوگری کا علم ہے حالانکہ ڈاکٹر راحت اندوری بھی غزل کے شاعر ہیں اچھے شعروں کی تخلیق بھی کم سے کم کر لیتے ہیں مگر غزل کی درد بھری آواز سے آگاہ نہیں ہیں راحت جسے غزل کہتے ہیں مجھے وہ غزلیں نظم نما لگتی ہیں مثلاً

ہمیں بنیاد کا پتھر ہیں لیکن
ہمیں کو گھر سے نکالا جا رہا ہے

☆

اس طرح کے ان کے اشعار مجبوری و اعلانِ شکست کی بازگشت ہیں میرے اس خیال کی تائید جدّہ کا اردو اخبار بھی کر چکا ہے۔

وسیم جانتے ہیں کہ اردو شعر و شاعری میں صنف غزل کو اوّلیت حاصل ہے اس لیے وسیم نے غزل ہی کو اپنے لئے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ غزل میں کرب پیدا کرنے کا گر انھیں اپنی نوحہ گری کی شاعری میں پہلے دن سے حاصل ہو گیا تھا۔ نعتیہ غزل کہنے میں لاجواب ہیں۔ مجھے وسیم کا اک خارجی شعر یاد آیا ملاحظہ کیجئے ؎

یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے
جو سارے شہر کی شمعیں بجھائے دیتا ہے

وسیم کی شاعری چاہے روحانی ہو چاہے خارجی ہو اس میں شعریت بہت ہوتی ہے اور مزے کی یہ بات ہے وسیم کسی سے لگا نہیں کھاتے اچھی یا بری کیسی بھی ہو وہ اپنی پہچان بنا چکے ہیں۔ بقول شمس الرحمن فاروقی ''غزل ریزہ خیالیوں کا نام ہے غزل کا ایک اچھا شعر بڑی سے بڑی اعلیٰ درجہ کی نظم پر بھاری پڑتا ہے''۔ پروفیسر آل احمد سرور صاحب فرماتے ہیں ''غزل مبتدی شعرا کے لیے مشق سخن کا پیمانہ ہے۔ اور اساتذہ کو پہچاننے کا آلہ ہے''۔ وسیم صاحب کا مندرجہ بالا شعر میں نے یونہی نہیں نقل کیا ہے اس شعر کے پس پشت وہ حادثہ چھپا ہے جسے سن کر آپ چونک پڑیں گے۔

دسمبر 2008 میں ہونے والے دو بین الاقوامی حادثے پہلا تاج محل ہوٹل ممبئی کا جو میری نظر میں قابل مذمت ہے پھر بھی یہ حادثہ یکدم سیاسی نوعیت کا ہے اور بقول جگر ع۔ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے مگر دوسرا واقعہ ہے ایک معمولی درجہ کے پریس رپورٹر کا جس نے اک پریس کانفرنس میں دنیا کے سب سے طاقتور ملک کے صدر پر اپنے جوتوں کی لگاتار بارش کر کے اس فرعون صفت صدر کو بتا دیا کہ تیرے سپر جٹ ہوائی جہازوں، بموں۔ راکٹوں، ٹینکوں سے میرا جوتا زیادہ طاقتور رہے۔

2001 میں میں نے اپنے مضمون میں وسیم کا شعر بغیر سمتوں کی راہیں جہاں نکلتی ہیں اس پر ہم اور تاریخ ساز تبصرہ کیا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بے سمت کی راہ میں منزل کی راہ دکھائی اور حضرت موسیٰ نے پلک جھپکتے فرعون کا بیڑا غرق کر دیا۔ آج کے اک پریس رپورٹر نے دنیا کے سب سے طاقتور ملک کے صدر کو جوتا مار کر اس فرعون صفت صدر کا منہ کالا کر دیا جس نے ملک کے ملک تباہ و برباد کر دیئے مگر وسیم تو نسخہ بتا چکے تھے

ع۔۔ یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے

میں اپنا اک مطلع پیش خدمت کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں کیونکہ یہی سب سے بڑا سچ ہے۔

بہت نزدیک جانے کی گھڑی ہے

☆☆☆

# مزاج کا شاعر

نشور واحدی

لفظ ''مزاج'' میں وسیم کی کم گوئی۔ محفل تنہائی۔ ہر لمحہ ایک فکر ایک سوچ۔ خود سے بے نیازی۔ غرق غم رہنا۔ کسی کھوئی شے کی تلاش۔ گئے دنوں کی یاد آنے والے کل کی فکر۔ معاشرے کا بکھراؤ۔ ادب میں بے ادبیاں متحملہ ایسی باتیں ہیں جو وسیم صاحب کے مزاج میں پیدائشی طور پر در آئی ہیں اور ان کی زندگی کا محور بنی ہیں۔

وہ ایسے ماحول یا گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جو مراد آباد کا رئیس گھرانا تھا دادا حضور 380 گاؤں کے زمیندار تھے مراد آباد میں ان کی زمینداری میں ریل گاڑیاں چلتی تھیں مگر حضرت وسیم Land dord تک آتے آتے محفل میں عیش و عشرت کے جو جام رقص کناں تھے خالی ہو گئے۔ وسیم کی حویلیاں مٹی کے بھاؤ بک گئیں خاندان گردش مقدر کا شکار ہو گیا اور در در بھٹکنے لگا۔ کبھی اس شاخ پر آشیانہ بنایا کبھی اس شاخ پر تنکوں کا نشیمن آباد کیا مگر وقت کی برہمی نے چین کی سانس نہ لینے دی بقول۔

نفس کی آمد وشہ اللہ اللہ
کبھی میں چین سے جینے نہ پایا

اس قیامت خیز ماحول کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسیم کے حصے میں خوشیاں کم غم زیادہ ہو گئے۔

وسیم کے والد نسیم صاحب شاعر تھے لہٰذا شاعری کے جراثیم کے ساتھ ان کی پیدائش ہوئی سچ تو یہ ہے کہ وسیم پیدائشی شاعر ہیں دوئم یہ کہ وقت کی مہربانیوں یا ستم ظریفوں نے وسیم کے مزاج میں شدت احساسِ غم کی لہر زیادہ پیدا کر دی تو ان کی شاعرانہ فطرت میں مزید کسک اور لوچ ظاہر

ہونے لگا وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے بڑے سلیقے سے کہنے میں کامیاب نظر آتے ہیں ان کی شاعری مان کے تانگے کی شاعری نہیں ہے اور دیکھنے میں یہ آیا کہ قدرت نے ان کی تعلق داری چھین تو لی مگر عوض میں ادب کی زمین کا پٹہ ان کے نام کر دیا "تبسم غم" اور "مزاج" کے شعری مجموعے وسیم کے غم واندوہ فکر وفن کے شاہکار ہیں اور ان کی سچی اور کھری شاعری کی سندیں ہیں فرماتے ہیں ۔

ترے خیال کے ہاتھوں کچھ ایسا بکھرا ہوں
کہ جیسے بچہ کتابیں ادھر ادھر کر دیں

بکھری اور زمانے کے ہاتھوں اجڑی زندگی کی بہترین ترجمانی اس شعر میں وسیم نے کی ہے وسیم کی شاعری سے متاثر ہو کر اسی بدر زبیری کہتے ہیں۔

انھیں برگزیدہ ناموں میں ایک نام وسیم بریلوی کا بھی ہے جن کے اشعار سراسر رومانی تو نہیں ہیں مگر پوری طرح سیاست میں ڈوب کر اپنا اصل رنگ وروپ کھودینے پر بھی مجبور نہیں ہیں ۔ ان کی شاعری حد سے زیادہ جذباتی بھی نہیں ہے اور بے دمادی بھی نہیں ہے ایک اعتدالی صورت حال جو ان کے اشعار میں ملتی ہے وہ انھیں کی طبیعت کا خاصہ ہے

یہ بڑا خوبصورت اتفاق ہے وامتزاج ہے کہ جس قدر خوبصورت آواز ان کی ملکیت ہے اسی قدر خوبصورت ان کا اثاثہ ہیں۔

وسیم بریلوی تقریباً پینتیس 35 سالوں سے شعر کہہ رہے ہیں اور اب اردو ادب میں مقام حاصل کر چکے ہیں ۔ وسیم بریلوی اس عذاب سے بھی بچے ہوئے ہیں جو ہندوستانی فنکاروں اور خصوصاً شاعروں پر گذرتا ہے کہ ان کے فن کی قیمت کا اندازہ ان کے وجود کے بعد لگایا جاتا ہے مگر پھر بھی ان اہل قلم تک یہ مضمون پہونچانا بہت ضروری ہے جو ہندوستانی شاعری پر پاکستانی شاعری کو ترجیح دیتے ہیں ۔ یہ یک طرفہ فیصلہ آنے کا صرف ایک رخ دکھاتا ہے یہ کوئی بات نہ ہوئی۔

مزاج ،شاعر کے اصل مزاج کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے اور یہ مزاج کی غزل کا لاجواب مطلع ہے ۔

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

اور یہ سچ ہے کہ آج غزل میں گل وبلبل کی داستانوں ، لالہ و بہار اور شراب وشباب کے

تذکروں سے پرہیز برتا جاتا ہے۔مگر حسرت موہانی نے غزل کی بہترین قسم میں محبت کو بتایا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غزل کے بنیادی موضوع پر کون سا شاعر اس طرح طبع آزمائی کرتا ہے۔ جو شعر ہر طرح سے نیا معلوم ہونے لگے اور طبیعت پر گراں نہ گذرے۔ وسیم بریلوی نے نہ کہ آج کے شاعرانہ تقاضوں کو پورا کیا ہے بلکہ قدیم طرز کی آمیزش بھی اس طرح سے کی ہے کہ ان کی شاعری میں اعتدالی کیفیت پیدا ہوگئی ہے وہ دعا کرتے ہے۔ ؎

مجھے بجھا دے مرا در مختصر کر دے
مگر دیے کی طرح مجھ کو معتبر کردے

مگر اس دور میں اپنی بات دوسروں تک پہونچانے اور نھیں اصلاح کی راہ پر لانے کا کیا ذریعہ ہے وہ جانتے ہیں ؎

لہو نہ ہو تو قلم ترجماں نہیں ہوتا
ہمارے دور میں آنسو زباں نہیں ہوتا

زمانے کی گردشوں کے چکر میں پڑے تو کہہ اٹھے ؎

میرے غم جو اپنا بتاتے رہے
وقت پڑنے پہ ہاتھوں سے جاتے رہے

☆

ننھے بچوں نے چھو بھی لیا چاند کو
بوڑھے بابا کہانی سناتے رہے

☆

لوگ کچھ بھی کہیں اور میں چپ رہوں
یہ سلیقہ مجھے جانے کب آئے گا

آنکھیں منظر ہوئیں کان نغمہ ہوئے
گھر ہی سے گھر کے انداز جاتے رہے

☆

وہ تو کمرے سے اٹھ کر چلا بھی گیا
بات کرتی ہوئی خامشی رہ گئی

☆

عجیب شرط لگائی ہے احتیاطوں نے
کہ تیرا ذکر کروں اور تیرا نام نہ لوں

☆

لوگ بازار میں آئے بک بھی گئے
میری قیمت لگی کی لگی رہ گئی

☆

میں اس کو آنسوؤں سے لکھ رہا ہوں
کہ میرے بعد کوئی پڑھ نہ پائے

☆

اک جدائی کا وہ لمحہ جو ٹھہرتا ہی نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ سب وقت گزر جاتے ہیں

☆

یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے
جو سارے شہر کی شمعیں بجھائے دیتا ہے

☆

جلا کے رکھ لیا ہاتھوں کے ساتھ دامن بھی
تمہیں چراغ بجھانا بھی تو نہیں آتا

☆

یہ کیا کہ آندھی کے مانند ہوتے جاتے ہو
وہی چراغ بجھاتے جسے بجھانا تھا

☆

دوست رستے میں تھے ہاتھ باندھے کھڑے
پھر بھی ہم جانے کیوں سر بجاتے رہے

☆

میں تجھ سے ملتا ہوں تفصیل میں نہیں جاتا
مری طرف سے ترے دل میں جانے کیا نکلے

☆

کہیں بھی جائیے مری ہم سفر سی لگتی ہے
وہ راہ جس میں کوئی نقش پا نہیں ہوتا

وسیم صاحب کے اس طرح کے اشعار ادب اردو کی شاعری میں لب و لہجے کے اعتبار سے نئے لگتے ہیں۔۔ملاحظہ ہو

یہ زندگی کا سفر بھی عجیب ہی نکلا
سفر میں سب ہیں مسافر کوئی نہیں لگتا

☆

میں اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
کہ آنکھوں آنکھوں میں وہ ذہن پڑھنے لگتا ہے

وسیم صاحب کے شعری مجموعوں سے مسٹر اسنی بدر نے بڑے جاندار شعروں کا انتخاب کیا ہے جسمیں وسیم صاحب کے اندر چھپے ایک فطری شاعر کی آواز افضا میں گونج اٹھی ہے کان نئے لب و لہجے کی شاعری سے آشنا ہو رہے ہیں اس سے پہلے غزل کی نئی ترنگ نئی آواز کے ساتھ 1945 مجروح سلطانپوری نے ہمیں چونکایا تھا اور یہ کہہ کر اہل ادب کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

بہت ہی کم ہے تو خال رخ بہاراں ہے
مری نوا کو ملی ہے وہ داغ پیرھنی

☆

ملے جو وقت نواس سخنی بہاراں سے
ادھر بھی دیکھ تماشہ ہے میری کم سخنی

تو وسیم نے مجھے اور مجھ جیسے بہت سے وسیم نوازوں کو یہ کہہ کر چونکایا

میرے غم کو بھی سمجھ کر دیکھتے
مسکرا دینا بہت آسان ہے

اور ان دونوں شاعروں نے ہم سے ایک ہی طرح کا شکوہ کیا ہے مجروحؔ صاحب کے شکوے میں دل ودماغ دونوں کی کارفرمائی کے سبب چار مصرعوں میں وہ اپنی پوری بات کہہ پائے مگر وسیم کے زخمی دل سے آواز نکلی اور سیدھے دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔آپ ہمیں معاف فرمائیں قطعی میرا مطلب یہ نہیں ہے وسیمؔ مجروحؔ سے بڑے شاعر ہیں اگر میں ایسا سوچوں تو مجھ پر ہزار بار لعنت مجروح صاحب وسیم کے بھی بزرگ ہیں میرے بھی بزرگ ہیں اور روسیم کے بھی ہمارے دلوں میں مجروح کی عزت ہے جب کہ میں تحقیق مجروح سلطانپوری شائع کرا چکا ہوں صاحب کی بڑی عزت ہے مگر بات یہ ہے شعر وادب کی تو آپ خود فیصلہ کریں دونوں کے شعر میں زیادہ تازگی مجروح بھائی میں ہے یا میاں وسیم میں یہاں اک بات میں عرض کر دوں کہ رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کا قول ہے کہ زخمی ہرنی گردن سے تیر نکالتے وقت ہرن کے منہ سے جو کرب اور تکلیف کی آواز نکلتی ہے وہی غزل کی آواز ہے۔آنجہانی پارس ناتھ بھرمیر (بہرائچی) نے اپنے شعر میں شکوہ کیا تھا۔

لوگ کہتے ہیں درد کی غزلیں
درد میں ڈوبکر نہیں کہتے

میرا پرخلوص دوست بھرمیر تو آنجہانی ہو گیا اگر زندہ ہوتا تو اسے وسیم بریلوی کی غزل میں ڈوبے ہوئے درد کے شعر سنا کر،اس کی شکایت دور کر دیتا۔۔۔۔(اللہ حافظ)

☆☆☆

# کرب وغم، رنج واندوہ کا شاعر

نشورواحدی

وسیم صاحب کی شاعری کے بارے میں غزل کے بڑے شاعر نشورواحدی صاحب ایک بیان یا تاثر میں وسیم کو کرب وغم، رنج واندوہ کا شاعر مانتے ہیں۔ جیسا کہ وسیم کی غزلوں میں ملتا ہے شاید اور کہیں نہ مل سکے غزلوں کی زبان بڑی دل کش اور شیریں ہے یہ مٹھاس شربت کی سی ہے یا خون دل کی شاعر تو یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ حلاوت اسی نغمے کی ہے جسے شکستِ شیشۂ دل کہتے ہیں۔

وسیم کی غزلوں میں اک رکی تھمی سی کیفیت ہے جو ایک طویل داستان غم کا عنوان ہے اس کی گرفت بھی ڈھیلی ڈھالی نہیں اس کے پنجے رگ جاں سے الجھے ہوئے ہیں ان کے شعور میں ایک خاص قسم کی لچک ہے جو مزاج کی گرمی ونرمی دونوں سے مل کر ترتیب پاس کی ہے ان کا سلیقہ اظہار جو روایات کا نچوڑ ہے جس کی مثال شعرائے عصر حاضر میں کمیاب ہے۔

حضرت وسیم نے میرؔ کو بہت پڑھا میرؔ یاسیت کا امام ہے میرؔ کے یہاں غم ہی میں کیف وسرور زندگی کی اصل خوشی ہے عموماً غزل کی شاعری درد اور کسک رنج ملال کی شاعری ہے غزل کی ایمائیت اور اس کے اظہار سے سننے والے پہ جو اثر قائم ہوتا ہے وہی غزل کا جادو ہے اور ایسی ہی شاعری کو آورد کی شاعری کہا جاتا ہے غزل کی شاعری کا فن اگرچہ فارسی زبان میں بہت ہے مگر اردو غزل گوئی میں جو نفاست، خوش سلیقگی، نغمگی چلبلاپن ہے اس کی وجہ ہے اردو ڈکشن میں کئی عمدہ زبانوں کی شمولیت غزل کا عروج غزل کا خمیر انھیں زبانوں کے تعاون سے ہے مگر غزل میں آمد کے شعر شاعر کی سرمستی اور اس کی باغ و بہار طبیعت کے نتیجے میں خلق ہوتے ہیں، محض زبان کے تاؤ بھاؤ سے یا لسانیات کے تجربوں کے سہارے کسب و کوشش سے ذہین لوگ شعر تیار

کر لیتے ہیں۔

آمد کے جو شعر ہوتے ہیں اس کی نثر نہیں ہوتی اور اسے سنتے ہی یوں لگتا ہے ''یہی تو میں سوچ رہا تھا''لیکن یہ سیدھی سادی بات کو قالب شعر میں ڈھال کر پیش کرنا صرف اور صرف شاعر کا کام ہے مثلاً۔

میں ان چراغوں کی عمر وفا پہ روتا ہوں
جو ایک شب بھی مرے دل کے ساتھ جل نہ سکے

شاعر ان چراغوں کی وفا کرنے کی مختصر عمر پر کفِ افسوس ملتا ہے اور کہتا ہے بے چارے یہ چراغ تو ایک رات بھی میری طرح جلنے کی تاب نہ لاس کے۔

جس کا خلاصہ ہے کسی کی تلاش میں جستجو میں خود کو مٹا دینا اپنے وجود سے بے بہرہ ہو جانا آتشِ عشق میں مسلسل جلتے رہنا اک چراغ کی مانند مگر طولِ شب غم کے چراغ سحر ہوتے ہوتے بجھ گئے مگر عاشق اپنے محبوب کی تلاش میں تمام عمر جلتا رہا یا روشن رہا۔

اس میں ''جلنے کے معنی پرُنور ہونا'' اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عشق خارجیت کی منزلیں عبور کر کے اپنی داخلیت میں گم ہو گیا۔۔۔۔ ہمہ اوست کا وہ مسئلہ ہے جہاں الٰہیات وجدت کے سوا کچھ نہیں عالم استغراق کی یہ وہ پہلی سیڑھی ہے جہاں اولیا اللہ نے اسی در سے علم فقہہ کا درس لیا جس مضوم کی محبت میں ابدال کا درجہ پایا۔ شان قلندری سے سرفراز ہوئے، درویش کا رتبہ ملا، معشوق کی تلاش وطلب میں در در کی خاک چھانی، تخت وتاج سے منہ موڑا اور حسن معصوم کی عشوہ گری نے انھیں بے تاج کی ولایت بخش دی۔

اس جگہ مرحومہ نور جہاں کی گائی میرؔ کی غزل کا کربناک مطلع یاد آیا۔

ایک تو دل جہاں سے اُٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے

ماخوذ از کچھ حقیقت کچھ فسانہ صفحہ 87

وسیم صاحب کے محض اک شعر کے اتار چڑھاؤ نے ایک لمحے کو صدی میں تبدیل کر دیا اور بات تصوف کے پردے میں میرؔ کے دلدوز الہیاتی شعروں کے ڈانڈے سے ملنے لگی غزل کی

خارجیت والے اکثر و بیشتر شعر جب بڑی اور انفرادی شاعری میں تبدیل ہونے لگے تو عشق مجازی عشق حقیقی کا روپ دھار لیتا ہے اور اس وقت تخلیق کی پہچان پوری طرح اجاگر ہو جاتی ہے میں اپنی اس ناچیز تحقیق میں وسیم بریلوی کے اشعار کے حوالے یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا وسیم کی جمالیاتی شاعری میں تصوف کے رجحانات بہت ہیں مگر ابھی ہم یہی نہیں طے کر پائے ہیں حضرت نشور واحدی نے وکروں گا سیم کی شاعری کے دھارے کو کس نام سے پکارا ہے مگر ہاں خوب یاد آیا وہ کہہ چکے ہیں۔

''ان سب صلاحیتوں نے مل کر ان کے بیان غم کو ایسی تاثیر اور دل کشی بخشی ہے جس کی مثال شعرا عصر حاضر میں کمیاب ہے''

یہی بات میں 2001 سے کہہ رہا ہوں وسیم عہد نو میں غزل کا بڑا شاعر ہے تو کئی لوگ مجھے منہ برا بنا کر میری ہنسی اڑاتے ہیں یہی لوگ اگر نشور واحدی کے ساتھ۔۔ یہ سلوک کریں تو اینٹ کا جواب پتھر سے پائیں گے۔

آنسوں پر اس طرح ہنستے ہیں لوگ
جیسے غم کا کوئی مستقبل نہیں

☆

میرے غم کو بھی سمجھ کر دیکھتے
مسکرا دنیا بہت آسان ہے

☆

غم کا یہ بیان ان لفظوں میں نہایت بلیغ متحرک اور آفاقی ہے جس نے زندگی کو غیر فانی بنا دیا۔ شاید یہ جنازہ جو حیات غم کا ہے اسی وقت دفن ہو سکتا ہے جب کائنات کی عمر ختم ہو جائے اس نزاکت طبع کے باوجود وہ قنوطی اور پاس پسند نہیں بلکہ حیات غم کے اس طویل سفر میں انھوں نے جو نقش قدم چھوڑے ہیں وہ رجائیت حوصلہ مندی یقین کامل اور ایمان بالخیر کا پتہ دیتے ہیں۔

میں کچھ اس طرح سے جیا ہوں کہ یقین ہو گیا ہے
مرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہوگا

اردو میں بہت سے شعرا آج بھی ایسے ملیں گے جن کی شاعری کے پس منظر میں ایک کائناتی مقصدیت ہے جو شاعر کو ہر طرح کی طباعی اور رائے زنی اور اپنے فیصلے کا آزاد موقع بہم پہونچاتی ہے، وسیم کے یہاں بھی اس عظیم مقصدیت کی جھلک ملتی ہے

سرِ رہ گزر بھٹکنے پہ وسیم مطمئن ہوں
یہ سنا ہے جب سے منزل پہ سکون عام ہوگا

غزل کے بڑے شاعر اردو فارسی کے عالم حضرت نشور واحدی صاحب جنھوں نے اپنے رخشِ قلم سے وسیم بریلوی کے بارے میں اور موصوف کے علم وفن پر گھما پھرا کر نہیں صاف تحریر کر دیا کہ ان کا ہر نقش قدم حوصلہ جرأت اور مردانگی کی دعوت فکر دیتا ہے۔ جس کا سلسلہ یقین کامل ایمان بالخیر کا پتا دیتا ہے اور یہ سچ ہے کہ پختہ بے داغ شاعر وسیم کے ہم عصروں میں مجھے کوئی شاعر نظر نہیں آتا اور اگر کوئی ہے تو میں اسے نہیں جانتا شاہجہاں پور میں کہنہ مشق غزل کے نسیم صاحب بہت پاکباز شاعر ہیں اور بہت قابل احترام بھی مگر موصوف کی شاعرانہ زندگی میں وہ ہلچل نہیں ہے جو ہلچل وسیم نے اپنی شاعری کے حوالے ملک ہند سے لے کر غیر ممالک میں پھیلا رکھی ہے مگر ایمان و یقین خدا پرستی میں دونوں شاعروں کا طرز عمل بالکل ایک جیسا ہے میرا استاد زبردست صوفی خصلت شاعر تھا لہٰذا مجھے تصوف پسند شعر تخلیق کرنے والے شاعروں سے ہمیشہ بڑی عقیدت رہی حضرت نسیم شاہجہان پوری سے میری دوستی 40، 45 سال پرانی دوستی ہے۔ وسیم تو ابھی بہت نوعمر ہیں۔ آخر میں حضرت نشور واحدی فرماتے ہیں:

> ''میں اپنے خیالات کا تسلسل ختم کرتا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ جو لوگ وسیم کی غزلوں کو پڑھیں گے وہ اس سے کچھ زیادہ ہی پہلو پیدا کر سکیں گے۔ میں ان دنوں طویل مضمون لکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا کیونکہ ایک ماہ سے سخت علیل ہوں اور ماہ جون کی گرمی نے میرے جسم ناتواں کو اور بھی گداختہ کر رکھا ہے۔
> میری دعا ہے کہ یہ مجموعہ چھپ کر نئی نسل میں ایک نئے فانی کے استقبال کا شعور پیدا کرے''۔

☆☆☆

# پروفیسر قمر رئیس کی باتیں قمر گونڈوی کی زبانی

قمر گونڈوی

غالباً یہ 1957 کے موسم سرما کی بات ہے ان سے (وسیم سے) پہلی ملاقات ہوئی۔ علی گڑھ سے ڈاکٹر محمد حسن کی بارات مین پوری گئی۔ آل احمد سرور بھی، سردار جعفری اور علی گڑھ کے دوسرے ممتاز ادباء بھی اس تقریب میں موجود تھے، نکاح کے بعد میں نے چھ بندوں پر مشتمل ایک سہرا پڑھا جس میں التزام یہ تھا کہ ہر بند کا آخری مصرع غالب کی کسی غزل سے مستعار تھا۔ سہرا پسند کیا گیا۔ اس کے بعد ایک نوعمر شاعر نے نہایت مترنم آواز میں ایک سہرا پڑھا یہ وسیم بریلوی تھے جو ڈاکٹر محمد حسن کے عزیز ہیں۔

وہ شعر وشاعری کی دنیا میں خاموشی لیکن اعتماد سے قدم رکھ رہے تھے۔ وہیں ان سے تعارف ہوا اور تب سے یہ دوستی کا سلسلہ قائم ہے (کاش سہرے کے دوشعر بھی رقم کر دیتے) قمر شہرت اور ان کی پائداری کوئی خاص مسئلہ نہیں یہ بات تو وسیم صاحب بھی جانتے ہیں کہ ترنم کے زور پر مشاعروں میں ہر دل عزیزی حاصل کرنے والے بہت سے شاعر سرے سے شاعر ہی نہیں ہوتے مشاعروں کے کچھ تقاضے ہیں جن کو وہ پورا کرتے ہیں ان کی ذات کے گرد ایک گلیمر سا پیدا ہو جاتا ہے اور بس، لیکن شاعر ایسے بھی ہوتے ہیں اور ہیں جو ترنم کی سحر کاری اور مشاعروں کی شہرت کے باوجود اعلی درجہ کے شاعر ہیں مثلاً جگر مرادآبادی (مرحوم) اصل سوال یہ ہے کہ مشاعروں میں مقبولیت حاصل کرنے کے باوجود شاعر اپنے میڈیم یعنی شاعری سے کتنا مخلص ہے؟ وہ اپنے سامعین کے مذاق کو سامنے رکھ کر ان کی تشفی اور تفریح کے لئے شعر کہتا ہے یا

اپنی اندرونی تحریک پر اس میں شبہ نہیں وہ حقیقی شاعر ہیں، ''تبسم غم'' ان کا مجموعہ اس وقت شائع ہوا تھا جب انھوں نے مشاعروں کی زندگی شروع کی تھی مجھے یاد ہے کہ اس مجموعہ میں کلاسکی رچاؤ کے ساتھ ساتھ سوز و درد کی کیفیت نمایاں تھی بعد میں ان کی غزلوں میں جدید طرز کے اشعار زیادہ نظر آنے لگے اور ان کے شعری مزاج میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگے ''مزاج'' کی کچھ غزلوں میں مشاعروں کا بھی اثر ملتا ہے لیکن شاید یہ اثر پذیری غیر شعوری ہے، مجموعی طور پر ان کی شاعری یہ رنگ و آہنگ شاعر کے باطنی تبدیلی کا نتیجہ ہی معلوم ہوتے ہیں

کچھ اس طرح وہ مری زندگی میں آیا تھا
کہ میرا ہوتے ہوئے بھی وہ بس ایک سایا تھا
ہوا میں اڑنے کی دھن نے یہ دن دکھایا تھا
اڑان میری تھی لیکن سفر پرایا تھا
یہ کون راہ دکھا کر چلا گیا مجھ کو
میں زندگی میں بھلا کس کے کام آیا تھا

اس سے قطع نظر کہ مطلع کے دوسرے مصرع کی بندش کچھ کمزور ہے سپاٹ ہے میں قمر گونڈوی عرض کروں کہ مطلع کے دوسرے مصرعے میں ع

کہ میرا ہوتے ہوئے بھی بس ایک سایا تھا۔

بہت جاندار بھرپور مصرع ہے اور مطلع کے پہلے مصرع کا مکمل جواز پیش کرتا ہے اس مطلع میں شاعر نے اپنے محبوب کی بات کی اور یوں کہ میری زندگی میں آیا ضرور مگر میرا بن کر نہیں پرایا بن کر آیا اگر محبوب اپنے عاشق سے پرایا بن کر بے رخی کے ساتھ کچھ ناز و غمزے دکھاتا ہوا نہ ملے تو پھر وہ محبوب نہیں لکھنؤ چوک کی کوئی فاحشہ ہے۔ (پروفیسر قمر رئیس صاحب سے معذرت خواں ہوں)

فکر و تخیل کے اعتبار سے تینوں اشعار میں غضب کی تازگی ہے نہیں یہ تو خوبی ہے کہ وہ ''وسیم'' غزل کی روایت سے منحرف ہوئے اپنے عہد کی سچائیوں کی ترجمانی کر رہے ہیں ان کے رموز و علائم کی اپنی دنیا ہے، دوسرے جدید شعرا کی پیروی سے گریز کرتے ہیں مثلاً پرواز اور سفر کے تلازمات (تلمذات) ان کے کلام میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اور یہ آج کے نوجوانوں کی زندگی ان کی کشمکش اور محرومیوں کو پیش کرتے ہیں

ملی ہواؤں میں اڑنے کی وہ سزا یارو
کہ میں زمین کے رشتوں سے کٹ گیا یارو

☆

آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر
کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائے گا

☆

کیوں میرا ساتھ چھوڑے جاتے ہو
راستہ رہنما نہیں ہوتا

☆

اس طرح میرا ذوق سفر کوس رہا ہے
جیسے کہ نہ ملنا مری منزل کی خطا ہے

☆

سفر پہ آج وہی کشتیاں نکلتی ہیں
جنھیں خبر ہے ہوائیں بھی تیز چلتی ہیں

☆

کہیں بھی جائے مری ہم سفر سی لگتی ہے
وہ راہ جس میں کوئی نقش پا نہیں ہوتا

مثلاً یہ کہ ان کی امیجری بڑی حد تک اردگرد کی زندگی سے ماخوذ ہے، ایسی اشیا ایسے مشاہدات جن سے عام لوگ مانوس ہیں ان کے شعروں میں علامتی رنگ اختیار کر کے اچھوتی معنویت پیدا کرتے ہیں یہی وہ اشعار ہیں جو سہل ممتنع کی طرح مشاعرے کے سامعین کو اپیل کرتے ہیں۔

گھر کی گرتی ہوئی دیواریں بھی مجھ سے اچھی
راستہ چلتے ہوئے لوگ ٹھہر جاتے ہیں

☆

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دے گا
خواب جس کے ہیں وہی نیند نہ آنے دگا

☆

ذرا سی خاک ہو اس بات پر نہیں جانا
ہزار آندھیاں آئیں بکھر نہیں جانا

غزل کے یہ اشعار بڑے دلکش سدا بہار اشعار ہیں لیکن اس نے جب مصرعوں کو آگے بڑھایا ہے تو بہت معمولی اشعار بھی کہے ہیں

تمام رات وہ پڑھتی رہی وہی ناول
کہ جس کے ہیرو پہ میرا گمان ہوتا تھا

☆

میں خریدوں تجھے تو خریدے مجھے
گاؤں میں پھر کوئی ایسا میلہ لگے

مشاعروں میں ایسے شعروں کی داد ضرور ملی ہوگی ایسے اشعار وسیم کے عام رنگ سے میل نہیں کھاتے (بالکل درست بات ہے)

میں قمر عرض کروں مجروح سلطان پوری غزل کے بڑے شاعر تھے شاگرد جگر تھے مگر جب سنیما کی تجارت سر پڑی تو مجبوراً کہا

آر اے ٹی ریٹ ریٹ معنے چوہا
سی اے ٹی کیٹ کیٹ معنے بلی

جب میں نے ان کی شاعرانہ تحقیقی کتاب لکھی اور جس میں اک مضمون پروفیسر قمر رئیس صاحب کا بھی شامل کتاب ہے اعتراض اٹھایا، آپکی فلمی شاعری میں ''چوہا بلی'' والی شاعری کا کیا کروں تو مجھے سمجھایا

''ارے میاں ہیروئن جاہل ہیرو کو سبق یاد کرا رہی ہے''

عین اسی طرح مشاعروں کی تجارت بڑھانے دولت بٹورنے کے پھیر میں وسیم نے دوم درجہ کے سامعین کو خوش کردیا مشاعروں میں ان دنوں پڑھ لکھے سامع مشاعرہ سننے نہیں جاتے۔قمر (قمر رئیس صاحب فرماتے ہیں ) یہ مشکل سوال ہے وہ شعر کم کہتے ہیں پھر بھی اپنے معاصرین کے مقابلے میں انھوں نے اچھے شعر کثرت سے کہے ہیں اس کے باوجود ان کی انفرادیت کے نقوش میری دانست میں روشن نہیں ہوسکے،اور شمس الرحمن فاروقی ،ظفر اقبال اور علوی کو بانس پر چڑھائے ہیں حسن نعیم نے بقول مجروح اردو کو بگاڑا ہے یہ تمام شاعر فاروقی صاحب کی امت ہے ۔۔۔قمر گونڈوی

باقی سب شریک کارواں ہیں ، ایک انسان کی حیثیت سے میں نے ان کو ہمیشہ شریف النفس مہذب اور کھرا پایا، دوستوں کے دوست قلندرانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں، دوسرے نوجوان شعرا کی بے اعتدالیوں اور طور طریقوں سے انھوں نے اپنے آپ کو محفوظ رکھا اعلیٰ انسانی قدروں کو عزیز رکھتے ہیں، ان کے کردار میں دلکشی ہی نہیں استواری بھی ہے اور یہ اس دور میں قابل قدر خوبی ہے۔

غزل میں شخصیت حریری پردوں میں چھپی رہتی ہے اور اکثر پیکروں اور علامتوں کے دریچوں سے جھانکا کرتی ہے، وسیم کی داخلی شخصیت کا جو روپ ان کی شاعری پر نمایاں نظر آتا ہے وہ یاس ومحرومی اور کرب تنہائی کا شائبہ رکھتا ہے، ان کی ہر غزل میں ایسے اشعار ملتے ہیں۔

زندگی تجھ پہ اب الزام کوئی کیا رکھے
اپنا احساس ہی ایسا ہے جو تنہا رکھے

☆

ان دنوں کس قدر اکیلا ہوں
کوئی مجھ سے خفا نہیں ہوتا

☆

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دے گا
خواب جس کے ہیں وہی نیند نہ آنے دے گا

نہیں میں ایسے کسی فریب میں مبتلا نہیں ہوں مشاعرے صرف سستی تفریح کا ذریعہ ہیں
یا یوں کہہ لیجئے (لطیف ترین حسّیات کی جلوہ گاہ ہیں)

جب کہ وامق جونپوری کہتے ہیں (مشاعرے لطیف ترین حسیات کی جلوہ گاہ ہیں) قمر اور شعرا کے لیے اچھا وسیلۂ معاش ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں لیکن وسیم ایک درمند دل رکھنے والے مخلص انسان ہیں مجھے امید ہے کہ اب جب یوپی میں اردو کے لیے حالات کچھ سازگار ہو رہے ہیں اس میدان میں کچھ کام ضرور کریں گے۔

(پروفیسر قمر رئیس صاحب کا بیان ماخوذ از لمحے لمحے)

قمر رئیس صاحب:۔۔۔۔فرماتے ہیں۔

''اس میں شبہ نہیں وسیم حقیقی شاعری تو لکھتے ہیں''ان کی انفرادیت کے نقوش میری دانست میں روشن نہیں''، قمر رئیس صاحب کا ہر بیان خوب ہے۔قمر گونڈوی

جناب وسیم صاحب کے اک مطلع پر محترم قمر رئیس صاحب کا اعتراض میرے تجربہ سے اگر غلط نہیں تو صحیح بھی نہیں۔ پروفیسر کا یہ کہنا ان کی انفرادیت کے نقوش روشن نہیں ہو سکتے۔ میں نے ان دونوں اعتراضوں کے جواب پچھلے صفحات میں لکھ دئے ہیں لیکن پروفیسر کا یہ تبصرہ بہت اچھا ہے کہ وسیم صاحب کی شاعری تبسم غم'' میں اچھی ہے محترم پروفیسر نے ''تبسم غم'' کے شعرا پنے مضمون میں زیادہ کوٹ کئے ہیں اسے پڑھ کر اندازہ ہوا وسیم کی تبسم غم کی شاعری آج کی ان کی شاعری سے بہت اچھی شاعری ہے جسکا سبب یہ بھی ہے تب ان کے پاس فرصت ہی فرصت تھی مگر اب کثرت سے مشاعروں میں شرکت کی وجہ سے نظر ثانی کرنے کا انھیں موقعہ نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ موبائل کے اس دور میں بہت سے شاعروں کی لکھنے اور پڑھنے کی عادت چھوٹ گئی ہے جب کہ اردو ایسی زبان ہے جو تحریر و تالیف چاہتی ہے اگر ہم اس سے کنارہ کشی کرلیں تو ہماری اردو لکھنے کی رفتار بالکل کمزور پڑ جائے گی ہمارے علم وفن پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے مثال دوں اگر ہم قرآن کی تلاوت نہ کریں تو کچھ دنوں بعد قرآن کی تلاوت میں زبردست خلل پڑتا ہے اردو فارسی عربی زبان کی دین ہے اس کی مشق کم ہوجائے تو ہم شعر کہنا درکنار صحیح طور پر اک پوسٹ کارڈ نہ لکھ پائیں گے میرے پاس شاعروں کے خطوط آتے رہتے ہیں بہت سے ایسے ہیں

کہ ان کا خط پڑھ کر ''ہم لفافہ بھانپ لیتے ہیں''، شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر ملک زادہ، پروفیسر گوپی چند نارنگ، وارث کرمانی جیسے لاتعداد اردو رائٹرز ہیں جو کبھی خالی نہیں بیٹھتے ہر وقت اپنی میز پر سر جھکائے مصروف اردو رہتے ہیں یا لکھ رہے ہوتے ہیں یا موٹی موٹی فارسی، عربی، انگریزی، سنسکرت، اردو کی کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ میں نے بھوپال میں اختر سعید خان صاحب کے بیڈروم میں دیکھا ہے بڑی سی مسہری پر کتابوں رسالوں کا ڈھیر لگا ہے رات میں کتابیں ادھر ادھر کر کے سکڑ کر لیٹ جاتے تھے، اور جب ایسے لوگ کچھ لکھتے ہیں تو ہم جیسے لوگ ان کے لکھے کا دل سے یقین کرتے ہیں علم کا سمندر سمندر ہی کی طرح عظیم ہے۔

وسیم صاحب روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں ڈین فیکلٹی آف آرٹس کمیٹی کے کنویزر رہ چکے ہیں لاتعداد مقالے موصوف کی نظروں سے گزرے ہیں بہت سے PHD کرنے والوں کی ڈگریوں پر وسیم کے دستخط ثبت ہوں گے وسیم میں فکر و غور کا بہت مادہ ہے وسیم بریلوی محض شاعر ہی نہیں بہترین مقرر بہترین مصنف بھی ہیں اور ان کا یہ مزاج ان کے شعروں میں صاف نظر آتا ہے جس کے سبب ان کے شعروں میں کبھی کبھی پیچیدگی بھی در آئی ہے اور یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی وسیم صاحب سب کچھ ہونے کے بعد شاعر زیادہ ہیں بقول ان کے میری تخلیقی درمندیاں مجھے عزیز ہیں اس کے آگے وہ دنیا کا ہر مرتبہ ہیچ سمجھتے ہیں۔

میرا بھی یہی جذبہ ہے ایمان یقین عقائد اور علم وفن کے علاوہ دنیا کی ہر گفتگو مجھے قمار بازی لگتی ہے۔ میں اب وسیم صاحب کا اک انٹریو آپ کے روبرو لاتا ہوں اس انٹرویو سے وسیم کی کچھ اندرونی باتوں کا سراغ ملتا ہے۔ (صفحہ 125 پر)

وسیم صاحب کے قریبی ایک دوست نے بعنوان ''شاعروں کی باتیں'' ہفتہ روزہ وطن کی خوشبو شمارہ 15—1996 وسیم کی شاعرانہ زندگی پر اک مضمون سپرد قلم کیا تھا مگر وہ اخبار میں نے نہیں دیکھا میں نہ لا سکا مگر اختر الایمان پر بحث کا مطالعہ قابل توجہ ہے۔

اختر الایمان صاحب کی پچھلی زندگی کے واقعات بہت پر درد اور غم انگیز ہیں آپ کے مسجد کے امام عالی مقام تھے۔

ایک بار مجروح سلطانپوری کے ساتھ ممبئی میں میں ان کی موٹر کار پر بیٹھ کر اختر الایمان

صاحب کے یہاں گیا تھا مجروح صاحب اخترالایمان سے کچھ فلمی کاروباری باتیں کرنے گئے تھے بعد گفتگو اخترالایمان نے میری طرف اشارہ کر کے مجروح صاحب نے ہنس کر یا مسکرا کر فرمایا آپ کون ہیں تو مجروح نے فرمایا خادم جگر مرادآبادی قمر گونڈوی ہیں اوران دنوں میری بائیو گرافی لکھ رہے ہیں یہ سن کر مجھ سے ڈائرکٹ سوال کیااور کیا کیا کرتے ہو؟ عرض کیا غزلیں کہتا ہوں اور آپ جیسے بڑے قلم کاروں کا مطالعہ بھی کرتا ہوں بولے میرے مطالعہ میں آپ کو کیا ملا ہوگا میں نے فوراً کہا "پیاسی مٹی رہے گی پیاسی" ملااور میں نے آپ ہی کے لب و لہجے میں آپ ہی کے مصرع کو عنوان بنا کر ایک فری ورس نظم تخلیق کی ہے جب یہ نظم مشاعروں میں پڑھتا ہوں تو خوب داد ملتی ہے، بولے تم تو غزل کے شاعر ہو تو میں نے عرض کیا اردو صنف سخن میں جسے غزل کہنے کا شعور ہے اردو شعر وشاعری کی ہر صنف پر اسے عبور حاصل ہو جاتا ہے آپکی ہر نظم میں جمالیاتی قسم کی غزل کی خوشبو ہے میری بات سن کر مجروح صاحب سے بولے مجروح تمہیں سمجھ دار آدمی مل گیا۔

منصور عثمانی لمحے لمحے بدایوں میں مرحوم اخترالایمان کی بات کر رہے تھے مجھے 94.95 تم کا واقعہ جو میرے ساتھ گزرا یاد آ گیا لہٰذا بطور یادگار تحریر کر دیا۔قمر

وسیم صاحب کو برسوں پہلے میں نے اک شعری نشست میں سنا تھا ان دنوں شاید ان کا قیام دہلی میں تھا وہ یہاں کی کسی درس گاہ میں ٹیچر تھے۔ان کا ترنم دردانگیز تھااور سیدھا دل پر اثر کرتا تھا، اس وقت تک انھوں نے مشاعروں میں وہ مقبولیت اور محبوبیت حاصل نہیں کی تھی جو اب ان کی پہچان بن گئی ہے لیکن انھیں سن کر یہ پیش قیاسی کی جاسکتی تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن مشاعروں میں دھوم مچا دیں گے۔

عرض کروں غالباً 1965 یا 62 میں جب میں نے سیتاپور میں وسیم کو اور بشیر بدر کو ایک مشاعرے میں سنا تو وسیم کے شعر مجھے بشیر بدر کے شعروں سے اچھے لگے مگر آواز اور ترنم بشیر بدر کا اچھوتا لگا وسیم کے ترنم میں سوز تو تھا مگر یہ سوز سو فیصد ( محرمی ) تھا۔قمر

میں مشاعروں میں کم شرکت کرتا ہوں ( غلط ہے آپ بہت شرکت کرتے ہیں۔قمر) لیکن وسیم سے میری جتنی ملاقاتیں ہوئی ہیں مشاعروں میں ہوئی ہیں۔ ہندوستان میں بھی اور ہندوستان

سے باہر بھی، پچھلے سال مشاعرے میں شرکت کے لیے جدہ گئے وہاں کئی دن تک ان کا ساتھ رہا، زیارت حرمین شریفین بھی دو بار ساتھ کی، وسیم صاحب راسخ العقیدہ مسلمان ہیں ممنوعات سے دور رہتے ہیں اور نماز روزے کے بھی پابند ہیں زیارت کرتے ہوئے ان کا خشوع وخضوع دیدنی تھا۔ بار باران کی آنکھیں آنسوں سے تر ہو جاتی تھیں۔ جدہ میں جس ہوٹل میں شاعروں کا قیام تھا وہاں آرام واسائش کی تمام چیزیں فراہم تھیں لیکن شراب نوشی ممنوع تھی احمد فراز، قتیل شفائی اور میرے پاس کچھ لوگ آئے جو شاید ہماری اس لت سے واقف تحفے میں انھوں نے شراب کی پیش کش کی احمد فراز نے میری طرف دیکھا میری ذہنی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ شراب کے تصور سے بھی کراہت ہوتی تھی۔ میں نے کہا آپ دونوں چاہیں تو پی سکتے ہیں میں نہیں پیوں گا آخر میری ہی طرح ان دونوں نے پیش کش رد کر دی وسیم صاحب کے علم میں یہ واقعہ آیا تو بہت خوش ہوئے اور ہندوستان آکر میری غیر موجودگی میں انھوں نے کئی دوستوں سے اس کا ذکر کیا۔

وسیم صاحب برسوں سے مشاعرے کی فضا پر چھائے ہوئے ہیں ان کے کلام میں اور آواز میں ایک خاص قسم کا سوز ہے جو سننے والوں کو تڑپا دیتا ہے، مشاعروں میں عام طور پر اکہری شاعری مقبول ہوتی ہے وسیم صاحب کی اکہری نہیں تہہ دار شاعری ہے قمر) وسیم صاحب کا بھی وہی کلام جو مشاعروں میں پسند کیا جاتا ہے اس سے مستثنیٰ نہیں لیکن ان کے یہاں ایسے اشعار بھی ہیں جو کاغذ پر آنے کے بعد اپنی آب وتاب قائم رکھتے ہیں۔

میری نظر سے ان کے کلام کے دو مجموعے گذرے ہیں "تبسم غم" اور "مزاج"، "تبسم غم کئی برس پہلے شائع ہوا تھا۔ مزاج کو شائع ہوئے زیادہ مدت نہیں گذری ان دونوں مجموعوں کے مطالعہ سے وسیم صاحب کی شاعرانہ افتادِ مزاج کا پتہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ طبعاً غم پسند ہیں لیکن غم پرست نہیں اور یہ بھی ہے کہ ان کا غم انھیں منفی ذہنی کیفیات کی طرف نہیں لے جاتا غم ان کے لیے ایک ایسا سرچشمہ فیضان ہے جس سے زندگی کے لیے خیر و برکت حاصل کی جاسکتی ہے اور لا حاصل کے احساس کو کم کیا جاسکتا ہے جو اک حساس انسان کا مقدر ہے پاس وحرماں کی ایک زیریں لہر بھی وسیم صاحب کی غزلوں میں جاری وساری نظر آتی ہے لیکن یہ بھی قنوطیت کا روپ نہیں دھارتی اداسیوں کے گہرے اندھیرے میں بھی امید کی ایک کرن ان کے یہاں جھلملاتی رہتی ہے

اور زندگی پر ان کے اعتماد و ایقان کا اثبات کرتی ہے۔

غزل اردو شاعری کی محبوب ترین صنف ہے۔ وسیم صاحب نے کچھ نظمیں بھی کہی ہیں لیکن ان کی محبوب صنف سخن غزل ہی ہے اور وہ جی جان سے اس کی ناز برداری کر رہے ہیں امید کی جاسکتی ہے کہ ناز برداری بے کار نہ جائے گی اور ایک نہ ایک دن ان کا محبوب اپنے سارے راز ان پر کھول دے گا۔

# کچھ یادیں کچھ باتیں

قمر گونڈوی

عموماً دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اپنے شہر میں چھوٹے یا بڑے کسی شاعر کو وہ عزت نہیں ملتی جو اسے اپنے شہر سے باہر ملتی ہے لہذٰا زیادہ تر شاعروں کو اپنے شہر والوں سے شکایت رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ۹۵ فیصد شاعر شہر سے دل گرفتہ رہتے ہیں ملنے ملانے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں، غالباً یہ روایت بہت پرانی ہے تبھی تو کسی دل جلے شاعر نے کہا ہے۔

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا
عزت اسے ملی جو وطن نکل گیا

پھر میں نے جواباً شعر کہا

ہزار عیش سہی بزمِ غیر میں لیکن
وہ زندگی ہے جو اپنوں کے درمیاں گذرے

عمر کا بہت سفر طے کرنے کے بعد اپنوں سے قدم قدم پر چوٹ کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ پہلا شعر سچا ہے میرا شعر جھوٹا ہے۔

۹۵ فیصد کو چھوڑ کر ۵ خوش قسمت شاعروں میں وسیم صاحب کا بھی شمار ہے ابھی حال میں مجھے شہر بریلی کا اک پرانا اخبار ملا تو اس میں پڑھا کہ شہر بریلی میں اک ادبی تقریب میں وسیم صاحب کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مدعو کیا گیا اور شہر کے معززین نے اسٹیج پر وسیم صاحب کا پر خلوص خیر مقدم کیا وسیم کی اردو خدمات کو Recognaisation ملا گل پوشی ہوئی استقبالیہ نظم پڑھی گئی سپاس نامہ پیش کیا گیا شال اوڑھائی گئی اور اس پر فخر کا اظہار کیا گیا کہ وسیم نے غیر ملکوں

میں جا کر اپنے ملک اپنے شہر کی نمائندگی کی منتظمین جلسہ نے ان کی تعریف میں دھواں دھار تقریریں کیں آخر میں وسیم صاحب نے کہا آپ حضرات نے مجھے آبروئے بریلی کا خطاب عطا کیا ہے میں بریلی کی عوام کا بے حد شکر گزار ہوں۔

چلتا ہوں خدا حافظ بس اتنی وفا کرنا
منزل پہ پہونچ جاؤں تم اس کی دعا کرنا

قمر گونڈوی

ہم مرجانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اس کے باوجود بچھڑنے کا غم بہت ہوتا ہے جو کہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ میں نے دو چار مشاعرے احمد فراز صاحب کے ساتھ پڑھے ہیں مگر ہماری اور احمد فراز صاحب کی کوئی خاص ملاقات نہیں تھی۔ انھیں زیادہ تران کے چاہنے والے گھیرے رہتے تھے میں نے اس بھیڑ میں احمد فراز سے ملنے کی کوشش کبھی نہیں کی کیونکہ میں بزم جگر میں مجروح، سردار جعفری، مجنوں گورکھپوری، آل احمد سرور کو بہت قریب سے دیکھ چکا ہوں مگر فراز اور فراز کی غزلیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔

فروری ۲۰۰۱ء کراچی میں جمال ثانی کی یاد میں مشاعرہ تھا انیس انصاری نے مجھے بھی مشاعرے کا دعوت نامہ دیا تھا۔ اس مشاعرے کی صدارت مرحوم تابش دہلوی کی تھی لیکن پیرانہ سالی کے سبب عہدۂ صدارت مشاعرہ مجھے سونپ کر چلے گئے تو میری صدارت کا اعلان ہوا پروفیسر پیرازادہ۔ جون ایلیا۔ ڈاکٹر سحر انصاری کراچی کے سبھی بڑے شاعر موجود تھے مگر احمد فراز صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بہ آواز بلند تائید فرمائی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ آج میں کوچہ جگر کے شاعر سے ہیر رانجھا والی غزل سنوں گا احمد فراز کے برجستہ اعلان نے میرا حوصلہ بڑھا دیا۔

احمد فراز ۱۴؍ جنوری ۱۹۳۱ء میں آئے تھے اور ۲۵؍ اگست ۲۰۰۸ء کو اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اسکے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

فراز کی یہ غزل بہت مقبول ہوئی، موسمی پرندے اس پر چونچ بھی مارتے ہیں، اس غزل کی زمین غالب کی ہے فراز نے قافیہ، کو، کے بجائے 'کے' استعمال کیا ہے ویسے انھوں نے 'کو' کے

ساتھ بھی غزل کہی ہے۔

نہ منزلوں کو نہ ہم رہ گزر کو دیکھتے ہیں
عجب سفر ہے کہ ہم ہمسفر کو دیکھتے ہیں

اب غالبؔ کا مطلع پڑھیں۔

یہ ہم جو ہجر میں دیوار ودر کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

اس سے قطع نظر کہ احمد فراز کے شعر کا دوسرا مصرع تقریباً مہمل ہے۔ غالب وہ شاعر ہے جس نے بڑے سے بڑے شاعر کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اس کی زمین میں اس سے بہتر شعر کہہ کر نکل جائے احمد فراز کی موت سے مجھے بھی دکھ ہے لیکن میں ہرگز ایسا نہیں سمجھتا کہ اس موت سے اردو میں خلا ہو گیا جو پُر نہیں ہو سکتا جب کہ اردو میں ہمارے یہاں دلی۔ بریلی۔ لکھنؤ میں غزل کے شاعر موجود ہیں ان کا شمار اچھے غزل گو شعرا میں ہے۔ اردو والے دراصل روایتی طور سے میت پر بے وجہ آہ و فغاں کرنے کے عادی بن چکے ہیں۔

محترم فضیل جعفری صاحب کے مضمون کے اقتباسات (از اردو دنیا دہلی اکتوبر ۲۰۰۸ء)

اردو شعر و شاعری میں غزل کو ہمیشہ اوّلیت حاصل رہی ہے، غزل مشق سخن کا ذریعہ بھی ہے اور اساتذہ کو پہچاننے کا پیمانہ بھی، عموماً غزل کے معنی عورتوں سے یا صنف نازک سے بات کرنا ہے مگر حضرت فراقؔ گورکھپوری جو غزل کے بڑے شاعر ہیں فرماتے ہیں کہ غزل اس کرب اور تکلیف کا نام ہے جب زخمی ہرن کے گلے سے تیر نکالا جائے اس وقت ہرن کے منہ سے جو درد بھری آواز نکلے اسی آہ و بکا کا نام غزل ہے میرے خیال میں پہلے والی غزل کی مثال سے غزل کی یہ مثال زیادہ موزوں ہے نادر شاہ نے جب دلی پر حملہ کیا تھا اسی دور میں میر تقی میرؔ نے غزل کی فصاحت، بلاغت، نزاکت کے بارے میں کہا تھا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازل ہے بہت کام۔ آفاق کے اس کار گہہ شیشہ گری کا

یا بقول شخصے غزل ڈھاکے کی ململ ہے میلا ہاتھ لگتے ہی اس پر دھبے پڑ جاتے ہیں۔

تو معلوم ہوا غزل کی شاعری کا کام واقعی بے حد نازک ترین کام ہے اور بڑی جانفشانی والا

ہے کیونکہ غزل میں روزمرہ کے محاورے اشارے، کنائے اور ہوشیاری سے کام لیا جاتا ہے اس ریختہ گوئی یا غزل کے شعر میں یہ صفات نہ ہوں وہ شعر تو ضرور کہلائے گا مگر غزل کا شعر نہیں کہا جا سکتا مثلاً وسیم بریلوی اشارتاً فرماتے ہیں۔

وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا
ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے

اس شعر میں وسیم بریلوی نے بے حد مختصر سی بات میں اپنی شاعری کے متعلق بہت بڑا دعوٰی پیش کیا ہے کوئی بھاری بھرکم لفظ بھی نہیں رکھا ہے ہلکی پھلکی روزمرہ کی گفتگو ہے جیسے سر ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

تمہارے پیامی نے سب راز کھولے
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

کوئی غزل ہو غزل کا شعر ہو یا اسی نہج میں قطعہ ہو یہ غزل کا مزاج ہے کہ وہ بھاری بھرکم لفظوں کے استعمال کی متحمل نہیں ہو پاتی یہاں بطور مثال میں اک معمولی درجہ کا قطع پیش کروں گا مگر پہلے اس قطعہ کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

منتظر الزیدی جو اک معمولی درجہ کا رپورٹر ہے اس نے جارج بش کی پرنس کانفرنس جو بغداد میں ہو رہی تھی کسی بات پر ناراض ہو کر دنیا کے سب سے بڑے طاقتور جارج بش پر جوتوں کی بارش شروع کر دی لمحوں میں اس خبر نے صدیوں کا سفر طے کر لیا ساری دنیا میں ہلچل مچ گئی بہت سے دانشور شاعر بھی اس حادثے سے متاثر ہوئے اور سبھوں نے اسی تاریخی واقعے پر اظہار خیال کیا دیگر شعرا نے بھی اپنی شاعری میں اسی طرح کے تاثرات پیش کئے اور اس جوتے کاری کو خوب خوب ہوا دی۔ وسیم جانتے ہیں وہ غزل ہو کہ قطعہ اس میں شعریت پیدا کرنے کے لیے 'ابہام' 'اشارے' اور کنائے سے کام لیا جاتا ہے لہٰذا جب انھوں نے اس تاریخی واقعے کو نظمایا تو ان لفظوں کا استعمال قطعی نہیں کیا جو ادب میں بے ادبیاں پیدا کرتے ہیں بلکہ انہوں نے یوں کہا۔

یہ ظلم کا نہیں مظلومیت کا غصہ تھا
کہ جس نے حوصلہ مندی کو لازوال کیا

ہزار سر کو بچایا مگر لگا منہ پر
ذرا سا پاؤں کے تیور نے کیا کمال کیا

اس قطعہ میں اس قطعہ کی جان ہے ''پیر کا تیور'' جو اردو ادب میں بلا مبالغہ اک اضافہ ہے اور اس طرح کے نازک اور پر معنی اضافے غزل گو شعرا ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر بش جب تو بش صاحب ہیں اب انھوں نے اپنے شکاری کتوں کو فلسطین پر حملہ آور کر دیا ہے ہزاروں نہتے فلسطینی عوام آئے دن ان کتوں کے منہ کا نوالہ بن رہے ہیں اللہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے آمین۔

دن کی ضرور ہو گی مگر رات کی کہاں
سورج چراغ جیسی تری روشنی کہاں

(وسیم بریلوی)

وسیم بریلوی کی نئی غزل کا یہ قطع کسی مشاعرہ میں یا ٹی وی پر گوش گذار ہوا تو سننے میں مجھے ہلکا لگا جیسے مبتدیٔ شعرا عشق سخن میں اشعار کہا کرتے ہیں مگر باوجود اس کے مطلع بار بار دعوت فکر بھی دے رہا تھا اُلجھا ہو ذہن مصرعۂ ثانی میں مزید اُلجھ گیا

سورج چراغ جیسی تری روشنی کہاں

وسیم کی شاعری کے بارے میں جنھیں واقفیت ہے وہی اس نازک اور باریک مسئلہ پر زبان کھول سکتے ہیں بحث و مباحثہ کر سکتے ہیں اور اس کا سبب یوں ہے کہ اردو لٹریچر کے ہر اک بڑے شاعر کی شاعری میں کچھ الفاظ مخصوص ہوتے ہیں جیسے اقبالؔ، اصغر گونڈوی، جگر دادآبادی، مجروحؔ سلطان پوری، فراقؔ گورکھپوری وغیرہ نے اپنے مخصوص لفظوں کا اپنی شاعری میں استعمال کر کے بڑے کام لئے ہیں ح، عین اسی کے مطابق وسیم کے یہاں بھی چراغ کا لفظ بڑی انفرادیت و معنویت رکھتا ہے مجھے وسیم کے دو اک شعر یاد آرہے ہیں۔

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

یا

مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

وسیم صاحب بھی اپنی شاعری میں چراغ کا ذکر کر کے اس سے روحانی اور خارجی دونوں کام لیتے ہیں اور ہر موقعہ پر ان کا چراغ دن کے سورج کی روشنی سے رات کی تاریکی اور سناٹے میں انھیں لذت غم سے آشنا کرتا ہے مثلاً

ع ۔۔شب کے سنائے میں غم تیرا مزہ دیتا ہے

یا

کچھ رات ڈھلے ساقی مے خانہ سنبھلتا ہے

وسیم بریلوی کا یہی وہ منفرد چراغ ہے جو ان کی ریختہ گوئی کا سمبل بن گیا ہے فرماتے ہیں ''سورج چراغ جیسی تری روشنی کہاں'' حضرت وسیم بریلوی کی طرح شجاعؔ خاور بھی شعر تخلیق کرنے میں اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ شجاعؔ خاور کی شاعری میں بلا کی برجستگی اور رومانیت کے پہلو بہت ہیں شجاعؔ خاور اور وسیم کی غزلوں کا لب ولہجہ ہند و پاک کے ہر شاعر سے تقریباً جدا ہے یہ دونوں روایتی ہوتے ہوئے بھی عصر حاضر کے پسندیدہ غزل کے منفرد شاعر ہیں انھیں دونوں کی طرح ایک اور شاعر فیاضؔ فاروقی (IPS) بھی ہیں وہ بھی غزل گوئی میں آپ اپنی مثال ہیں جب کہ وسیم لکچرار، شجاعؔ خاور پولس کمشنر ہیں اور فیاض فاروقی بھی (IPS) ہیں یہ تینوں بقول پروفیسر ملک زادہ صاحب شب غم کی آنکھوں سے ڈھلکے ہوئے موتی ہیں جو ایک دوسرے کی آب وتاب میں اضافہ کر رہے ہیں۔

کار تخلیق میں تحقیق شدہ باتیں ہوں
بھائی بندی کا نہ رشتہ یہاں جوڑا جائے

☆☆☆

# وسیم بریلوی کا شعری سفر

قمر گونڈوی

حضرت وسیم بریلوی کو بحیثیت اردو لکچرار اور غزل گو شاعر تمام اردو دنیا میں جو مقام و مرتبہ ہمیشہ حاصل رہا اس کا تعارف میں کیا کراؤں ساری اردو دنیا اس سے بخوبی واقف ہے۔ ملک کے باوقار مرکزی ادارہ قومی کونسل برائے فروغ اردو (دہلی) کے چیرمین مقرر ہو چکے ہیں یہ منصب کوئی معمولی منصب نہیں مرکزی گورنمنٹ کی جانب سے ایسے عہدہ داروں کو ہر وہ سہولت حاصل ہوتی ہے جو ایک وزیر کو ہوتی ہے اور وسیم نے تو بہت پہلے یہ شعر کہہ کر دعویٰ پیش کیا تھا

وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا
ہمارے شعروں میں اک دور سانس لیتا ہے

اب وسیم کو گورنمنٹ نے جو باوقار عہدہ کے لیے منتخب کیا ہے یہ موصوف کی اردو خدمت کا فیض اور اللہ کا کرم ہے۔

وسیم صاحب ہوں یا مجروحؔ سلطان پوری ہوں خواہ شمسؔ الرحمن فاروقی ہوں پروفیسر ملک زادہؔ منظور احمد ہوں، پروفیسر پیرزادہ قاسم ہوں، پروفیسر قاضیؔ عبیدالرحمن ہاشمی ہوں، اس طرح کے اردو کے عظیم سے عظیم خادموں سے مجھ جیسے اک چھوٹے سے خادم کی ادبی طور طریقے سے ہمیشہ راہ و رسم رہی اور ان میں سے کئی حضرات کا مسلسل میرے غریب خانے پر آنا جانا رہا؟ مگر میری بیوی کے انتقال کے بعد خود بخود یہ رسم ٹوٹ پھوٹ گئی میں بھی جیسے گھر سے بے گھر ہو گیا ایک دن نسیم شاہ جہان پوری نے کہا، یار قمر بیویاں بہت سے شاعروں کی مرجاتی ہیں مگر تمہاری طرح یہ سب مایوس نہیں ہوتے تو میں نے انھیں اپنا یہ شعر سنا دیا

میں جو نالے نہ بھروں تو یارو
شعلہ روشن تہہ داماں ہو جائے

یہ واقعہ دہلی سے واپسی کے بعد کا ہے میں نے جب دہلی کے چند احباب سے سنا وسیم بریلوی نارتھ امریکہ کے دورے پر گئے ہیں اور اس ملک کے بارہ شہروں میں فیڈریشن آف علی گڑھ المنائی ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام یادگاری مشاعروں میں شرکت کریں گے لہٰذا موصوف کی واپسی کے بعد میں دہلی جا کر پروفیسر ہاشمی کا مہمان ہوا اور وسیم سے بھی ملنے کی کوششیں کی۔

معلوم ہوا بوسٹن میں ایک مشاعرے کا انعقاد اہل ہنود نے اپنے مندر کے حاطے میں کیا اور شعرا و سامعین کے نماز اور وضو کے لیے اسی مندر کے احاطے میں اہتمام کیا اس خلوصِ بے پناہ پر یاد آیا کہ اپنے ملک میں رہنے والے (بہر حال سب تو نہیں) مگر ایک سیاسی پارٹی نے مسجدیں شہید کر کے اپنی سیاسی دوکان چمکائی ہے امریکہ میں المنائی (علی گڑھ) فیڈریشن پر اسی کتاب میں پچھلے صفحات پر میں وسیم صاحب کا لیا گیا انٹرویو تحریر میں لا چکا ہوں اس مشاعرے کی آمدنی سے دیگر ممالک کے بیوہ اور یتیموں کی امداد بھی کی جاتی ہے اس سلسلے کا مشاعرہ 8 ستمبر کو (ڈیرائٹ) میں ہوا 14 ستمبر (نیوجرسی) اور 15 ستمبر کو (یونیورسٹی بوسٹن) میں جو مشاعرے منعقد ہوئے ان سبھی مشاعروں کی صدارت ملک ہند کے نامور شاعر وسیم بریلوی نے کی دیگر مشاعروں میں جہاں جہاں حضرت وسیم نے مشاعروں کی صدارت کی ان کی تاریخیں یوں ہیں ، 21 ستمبر کو (لٹل راک)، 22 ستمبر ڈیلس، 28 ستمبر کو (سین اینٹی نیو) اور ہوسٹن کے مشاعرے کی بھی صدارت وسیم صاحب کے حصے میں آئی اس عالمی مشاعرے کو جشن شاہدہ حسن کا نام دیا گیا اور علی سردار جعفری ایوارڈ سے نوازا گیا اس سے پہلے بھی اس طرح کے ایوارڈ وسیم بریلوی کو مل چکے ہیں۔

اس موقع پر کونسل کے وائس چیرمین پی ہرشن نے اردو زبان اور تہذیب کے ناتے سے جو تقریر فرمائی اس تقریر نے سامعین کا دل موہ لیا یہاں وسیم صاحب کے ہاتھوں تین ہونہار طالب علموں نے کئی Awards وصول کیے، ہوسٹن سمیت کئی شہروں کے بڑے مشاعروں میں دیکھنے میں آیا کہ وسیم صاحب کے کلام کے اختتام پر سامعین نے کھڑے ہو کر دیر تک تالیاں بجا کر وسیم کے کلام کی داد دی۔

5اکتوبر کو (6(Fanks اکتوبر کی شام (شان مزانسکو) محفل مشاعرہ منعقد ہوئی دونوں مشاعروں میں سامعین نے دل کھول کر عطیات سے نوازا12اکتوبر کو البنی کے مشاعرے کی صدارت وسیم بریلوی نے کی اور نظامت کے فرائض کنو یز مشاعرہ پرویز جعفری نے کی۔

اس پورے مشاعرے کی لسٹ میں ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ مقامی شعرا نے شرکت کی اس ملک امریکہ میں ہندو پاک کے عوام پیسہ کمانے کے چکر میں بھی پڑے ہیں اور اپنی تہذیب اور زبان سے بھی جڑے ہیں مقامی شعرا اور بیرونی شعرا جنھوں نے ایک درجن شہروں میں ہونے والے مشاعرے میں شرکت کی ان کے اسمائے گرامی میں ہندوستان سے وسیم بریلویؔ ،سنیل کمارتنگ ۔حسن کاظمی ،اور مدن موہن دانشؔ ،پاکستان سے افتخار عارف ،اور شاہد حسن ،کنیڈا سے نزہت صاحبہ صدیقی اور ذکیہ غزلؔ ،نارتھ امریکہ سے م۔رحمن،ڈاکٹر صبیحہ صبا،عارف امام اور عشرت آفرین ، میں وسیم بریلوی کے اس شعر کے ساتھ اس تاریخی قصہ کے باب کا اختتام کرتا ہوں۔

کوئی رشتہ بنا کر مطمئن ہونا نہیں اچھا
محبت آخری دم تک تعلق آزماتی ہے

(اور تعلق بر حال بدستور ہے)

اس مضمون کا عنوان احمد جاوید (ایڈیٹر روزنامہ انقلاب لکھنؤ) نے تجویز کیا۔

☆☆☆

# وسیم بریلوی: ایک نظر میں

اشفاق احمد عمر

پوری دنیا میں ہندوستان ایک ایسی سرزمین ہے جہاں ایک ساتھ ہزاروں تہذیب کا پرچم بلند ہوتا ہے اور ہندوستان کی مٹی بہت زرخیز اور نرم و نازک ہے جس کے بطن سے میر ،داغ، غالب، مومن، آتش، ناسخ، اقبال، مصحفی، جگر، فراق، فیض، مجاز جیسی شخصیتوں نے جنم لیا اور یہی وہ پاک سرزمین ہے جہاں وسیم نے بھی آنکھیں کھولی۔ جس وقت وسیم اس دار فانی میں آئے ہندوستان کا مستقبل رات کی تاریکی کا سفر طے کر کے سحر کی جانب گامزن تھا لیکن اس نیم سحر کو کالی رات میں تبدیل کرنے کی ناپاک سازشیں اپنے عروج پر تھیں۔ کہتے ہیں نہ ''برا وقت زیادہ دن کا نہیں ہوتا'' ٹھیک اسی طرح رات کی تاریکی کی طرح ہندوستان جیسے خوبصورت ملک کے نازک بانہوں سے زنجیریں کاٹ کر پھینک دی گئی اور یہ ملک انگریزوں سے آزاد کرالیا گیا۔ جس میں علمائے دین سے لے کر، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی نے اپنی جانیں قربان کیں اور شاعروں نے اپنے خون جگر سے سینچے ہوئے کلام سے یہ جنگ جیتی۔ ان تمام درد وغم اور کرب والم کے اثرات وسیم کی شاعری میں جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔

زاہد حسن ''وسیم بریلوی'' کی پیدائش مراد آباد کے ایک عالم گھرانے میں ۸ رفروری ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔ والد ماجد ''شاہد حسن''،''نسیم مراد آبادی خود ایک شاعر تھے جن کا شمار جگر مراد آبادی کے ہم عصروں میں ہوتا ہے۔ زاہد کی والدہ رفیعہ بیگم متقی پرہیز گار تھی اور شوہر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے والی نیک اور صالح بیوی تھی۔ زاہد کے بچپن کی زندگی کانٹوں بھری تھی۔ انھوں نے اپنے آبائی وطن مراد آباد میں زیادہ وقت نہ گزارا جس کی وجہ ان کی کچھ ذاتی پریشانی اور معاشی بدحالی بتائی جاتی ہے۔

موصوف کے دادا مراد آباد کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ ۳۶۸ گاؤں کے مالک تھے۔لوگ کہتے ہیں اس زمانے میں ٹرین مراد آباد سے کاشی پور تک ان کی زمین داری میں چلتی تھی لیکن والد کی سادہ مزاجی اتنی بڑی جائداد کو بہت دنوں تک سنبھال نہ سکی اور انجام یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے سب ختم ہو گیا۔ان کے والد شاہد حسن صاحب کا انتقال ۱۹۸۴ء میں جب کہ والدہ کا سایہ ۱۹۹۲ء میں سر سے اٹھ گیا۔

وسیم پانچ بھائی بہن ہیں تین بھائی اور دو بہنیں بڑے بھائی علی حسن افروز چھوٹے بھائی راشد حسن، بڑی بہن عطیہ پروین اور چھوٹی صفیہ پروین، وسیم کی ازدواجی زندگی بھی بڑی خوش حال ہے۔ان کی شادی ۱۹۷۵ء میں میرٹھ میں نکہت وسیم سے ہوئی جن سے تین اولادیں ہیں، ہاجرہ وسیم، موزوں وسیم، باسرا وسیم ان تینوں بچوں کی شادی کر وسیم اس وقت فرصت کے اوقات اپنے نواسوں پوتوں کے درمیان میں صرف کرتے ہیں۔

وسیم کم عمری میں ہی مراد آباد سے بریلی چلے گئے اور یہیں سے بنیادی اور ثانوی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد آگرہ یونی ورسٹی کے بریلی کالج سے ۱۹۵۸ میں اردو سے ایم اے کیا اور امتیازی نمبر سے پاس ہوئے۔ بعد ازاں وسیم کی ملازمت کا دور شروع ہوتا ہے وسیم بریلوی نے سب سے پہلے مراد آباد کے سنبھل انٹر کالج سے کیا، جہاں وسیم کے مزاج کے مطابق کارواں زیادہ دن نہ چل سکا تو موصوف نے دہلی کا رخ کیا، موصوف دہلی یونیورسٹی کے ہندو کالج میں ۱۹۵۹ میں لکچرر کے طور پر مقرر ہوئے۔اس وقت دہلی یونیورسٹی اور خود دہلی میں بھی قد آور ادیبوں اور ناقدوں کا جماوڑا لگا ہوا تھا۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر قمر رئیس، پرفیسر محمد حسن کی دہلی میں طوطی بولتی تھی۔وسیم نے ان لوگوں سے بہت کچھ سیکھا اور کچھ ہی دنوں بعد ۱۶ جولائی ۱۹۶۲ء کو وسیم کا تقرر بحیثیت لکچرر بریلوی کالج بریلی میں عمل میں آیا۔ کچھ سالوں بعد ریڈر ہوئے اور پھر ۱۹۷۹ء میں آٹھ سالوں تک صدر شعبہ اردو رہے۔ آخر میں ڈین فیکلٹی آف آرٹس ہوئے اور کچھ سالوں تک RDC کے کنوینز بھی رہے۔تقریباً ۱۰ بچوں نے ان کے انڈر میں ریسرچ کیا۔جن کے عنوان درج ذیل ہیں: ہندوستان کی جنگ آزادی میں اردو صحافت کا کردار، منشی ذکاءاللہ کے علمی و ادبی کارنامے، اردو تحقیق میں امتیاز علی خاں عرشی کا مقام و مرتبہ، کیفی اعظمی: حیات اور

شاعری، شیام موہن لال جگر بریلوی شخصیت اور فن، اردو نعت میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام و مرتبہ، حضرت امام احمد رضا خاں اور اردو نثر نگاری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

وسیم کو کئی ایوارڈ اور اعزازات سے بھی نوازا گیا جس میں حاصل حیات ایوارڈ برائے شاعری، فراق ایوارڈ، سردار جعفری ایوارڈ، وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موصوف نے خلیجی ممالک کے بہت سارے ادبی سفر کئے اور آج بھی وسیم مشاعروں کی آبرو بن کر اردو ادب کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ موصوف کے ادبی کارناموں کا دائرہ بہت وسیع ہے ان پر ''وسیم بریلوی کے فن اور شخصیت'' کے عنوان سے تحقیقی کام ڈاکٹر جاوید نسیمی نے کیا اور ''پی ایچ ڈی'' کی ڈگری حاصل کی ہے۔

شعر و شاعری کا فن وسیم کو وراثت میں ملا ہے۔ ان کے والد کی دوستی جگر مرادآبادی جیسے شاعر سے تھی جن کا وسیم کے یہاں آنا جانا رہا کرتا تھا، وسیم کی ادبی زندگی کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے جب وسیم کے گھر :بقول وسیم بریلوی:

> ''والد صاحب نے ایک بار جگر صاحب کو گھر پر بلایا اس وقت میں آٹھویں کلاس میں پڑھا کرتا تھا۔ والد صاحب نے جگر صاحب سے کہا یہ میرا بیٹا زاہد ہے اور شاعری بھی کرتا ہے یہ سن کر جگر صاحب خوش ہوئے اور کہا پڑھنے لکھنے میں کیسا ہے کہا اچھا ہے تو کہا پہلے پڑھنے لکھنے پر پورا دھیان دو۔ اس کے بعد میری ملاقات کبھی جگر صاحب سے نہیں ہوئی''

اردو ادب میں استادی اور شاگردی کی روایت بہت قدیم رہی ہے لیکن وسیم کی استادی کہہ لیں یا شاگردی بس یہی تھی جس نے زاہد حسن کو وسیم بریلوی تک کا سفر طے کرا دیا اور آج دنیائے ادب ''غزل کی آبرو'' کے نام سے انھیں جاننے اور پہچاننے لگی ہے۔

زاہد حسن (وسیم بریلوی) کی شخصیت اور ان کے ادبی کارناموں پر گفتگو کے بعد ان کارناموں کی جانب نگاہ ڈالتے ہیں جس کی بدولت کوئی انھیں، ''عرفان غم'' کے لیے یاد کرتا ہے تو کوئی انھیں ''شہنشاہ ترنم'' اور غزل کے ساز و ناز کو نیا شوق و ذوق فراہم کرنے والا بتاتا ہے۔ وسیم کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں وہ جتنے اچھے شاعر ہیں اتنا ہی بہترین ان کا ترنم بھی ہے۔ جب وہ اسٹیج

پر اپنی سحر آگیں آواز میں کوئی کلام سناتے ہیں تو پورے مجمع پر ہنگاما برپا ہو جاتا ہے۔ میں وسیم بریلوی کی غزلوں اور ان کے مترنم کلام کو اس وقت سے سن رہا ہوں جب شاید مجھے ادب کے ''ا'' شاعری کے ''ش'' اور مشاعرے کی ''م'' سے بھی واقفیت نہیں تھی۔ زاہد کی شخصیت جس قدر شاعر کے طور پر جانی جاتی ہے اسی طرح یہ ایک بہترین انسان بھی ہیں لوگوں کی خواہش کا انھیں حد درجہ خیال ہوتا ہے یہ سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ خود میں ایک واقعہ کا گواہ ہوں ملاحظہ کریں:

''گزشتہ دنوں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے کنوینشن ہال میں این۔سی۔پی۔یو۔ایل کے ڈائرکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کی جانب سے World Urdu Conference کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں دنیا بھر کے الگ الگ ملکوں سے اردو زبان و ادب کی نمائندگی اور اردو کی صورت حال سے سب کو روشناس کرانے کے لیے مندوبین آئے ہوئے تھے۔ سہ روزہ پروگرام کے آخری دن شام کو ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں وسیم بریلوی بھی شامل تھے۔

یہ ۲۰۱۳ء کی بات ہے جب وسیم صاحب NCPUL کے وائس چیئر مین ہوا کرتے تھے۔ تمام شاعروں نے اپنے اپنے کلام سے لوگوں کو محظوظ کیا پھر وسیم صاحب کا نام پکارا گیا موصوف نے اسٹیج پر آکر اپنے کچھ کلام سنائے لوگوں کی داد و تحسین سے پورا حال گونج رہا تھا میں نے بار ہا ایک جملہ بولا وسیم صاحب ترنم میں، وسیم صاحب ترنم میں۔ وسیم صاحب نے کلام پڑھ لیا اور جانے لگے لیکن نہ معلوم کیوں وہ پھر واپس آئے اور کہا میری طبیعت ٹھیک نہیں پر اس بچے کے جذبات اور حوصلے کو سلام کرتا ہوں جو پورے حال میں شروع سے آخر تک میرے کلام کو ترنم سے سننے کے لیے بے چین و بے قرار تھا میں اس کے لیے ترنم میں کچھ اشعار پیش کرتا ہوں'' وسیم بریلوی نے یہ غزل ترنم میں سنائی ملاحظہ کریں:

دنیا کی ہر جنگ وہی لڑ جاتا ہے
جس کو اپنے آپ سے لڑنا آتا ہے
تو کیا سمجھا تجھ سے بچھڑ کے بکھروں گا
دیکھ یہ میں ہوں مجھ کو سنبھلنا آتا ہے

اس غزل کو سنتے ہی پورے مجمع میں ہنگاما برپا ہو گیا لوگوں نے ایک اور ایک اور کی صدائیں

بلند کرنی شروع کر دیں۔ یہ ہیں وسیم بریلوی جن کے اندر ایک انسان کا دل، ایک شاعر کے جذبات اور عوام الناس کو سمجھنے اور سامعین کو سمجھانے کا ہنر موجود ہے اور جو سب کی قدر کرتے ہیں۔

خیر یہ ایک واقعہ تھا جو میں نے آپ کے گوش گزار کر دیا۔ بات کہاں سے کہاں آ پہنچی میرا اصل مقصد آپ کو یہ بتانا تھا کہ ہر شاعر جس طرح اپنی زندگی میں اپنے کلام کو کتابی صورت میں دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے اور اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اسے یکجا شکل میں دیکھ لے، تو وسیم صاحب نے بھی اپنی زندگی میں اب تک کے لکھے ہوئے کلام کو کئی شکلوں میں یکجا کیا ہے اور کچھ لوگوں نے ان کی شاعری کا انتخاب بھی شائع کیا ہے جس کی تفصیلات کچھ یوں ہے:

وسیم بریلوی کا سب سے پہلا شعری مجموعہ ''تبسم غم'' کے نام سے جون ر ۱۹۶۶ء میں منظر عام پر آتا ہے جس کی قیمت ۵۰ر ۲ روپے تھی اور فرنٹیر میل پریس دہرہ دون یوپی نے اس کتاب کو منظر پر پر آئی۔ اس مجموعہ کا آغاز وسیم کے عہد شباب کی ایک تصویر سے ہوتا ہے جو قاری اپنی طرف متوجہ کرتی ہے جس کے ساتھ ایک شعر قند ہے ملاحظہ کریں:

میری تصویر کے یہ نقش ذرا غور سے دیکھ
ان میں ایک دور کی تاریخ نظر آئے گی

وسیم کا دوسرا شعری مجموعہ ''آنکھ آنسو ہوئی'' کے عنوان سے ۲۰۰۰ء میں آ کر دنیائے ادب میں ایک انوٹھی چھاپ چھوڑتا ہے۔ وسیم کا تیسرا شعری مجموعہ ''آنکھوں آنکھوں رہے'' ان کی نئی غزلوں کا مجموعہ ہے جو اپریل ۲۰۰۷ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی سے منظر عام پر آتا ہے۔ اس کتاب کے ٹائٹل کور سے ہی اس مجموعہ کی سنجیدگی عیاں ہوتی ہے۔ کتاب کی پشت پر جواہر لال نہرو یونی ورسٹی کے شعبہ اردو کے استاد الاساتذہ پروفیسر محمد حسن کی تحریر اور وسیم کی خوبصورت تصویر سے ملاقات ہوتی ہے۔ انھوں نے وسیم کی شاعری کے تمام پہلوؤں پر گہری نگاہ رکھی ہے ساتھ ہی مختصر مگر جامع گفتگو کیسے کی جاتی ہے اس کے ہنر سے آگاہ کیا ہے۔ ملاحظہ کریں پروفیسر محمد حسن کی تحریر میں چھپی ہوئی وسیم کی پہلودار اور تہہ دار شخصیت:

''وسیم بریلوی کے مزاج کی پہچان ہے وارفتگی اور وارفتگی پیدا ہوتی ہے عرفان غم سے۔ وسیم شعر کہتے ہیں تو ڈوب کر اور لفظوں کو برتتے ہیں تو ترنم اور روانی کے

پیش نظر۔اسی لیے ان کی شاعری تغزل کا لہجہ اختیار کرتی ہے جو ان کی ذات اور زمانے دونوں سے پیوست ہے۔وہ روایت سے منحرف ہیں نہ منکر۔اپنے ذاتی تجربات واحساسات کے لیے جب روایتی سانچوں کو ناکافی پاتے ہیں تو ان کی توسیع بھی کرتے ہیں اور ان میں مناسب اضافے بھی اور اس راہ میں وارفتگی ہی ان کی رہنما ہے۔بے شک وسیم کے شعر تہہ دار ہیں۔اور ان کی تشریحیں مختلف طرز میں کی جاسکتی ہیں۔غزل کے رمزوایما کو وسیم اس انداز سے برتتے ہیں کہ ہر علامت چونکھی ہو جاتی ہے اور اس کی تعبیر مختلف انداز سے کی جاسکتی ہے۔۔بڑی بات یہی ہے کہ غزل کا شعر غم کے سہارے نئی بصیرتوں تک رسائی حاصل کرتا ہے"۔

پروفیسر محمد حسن کی باتوں سے وسیم کی غزلوں کے ان تمام پہلوؤں پر ہماری نگاہ جاتی ہے جہاں عموماً قاری کی رسائی ممکن نہیں ہو پاتی۔یہ حسن صاحب کا کمال ہے جس طرح وہ ڈرامے میں کردار کے ذریعہ اپنے message کو ناظرین وسامعین کے گوش گزار کردیتے تھے ٹھیک اسی طرح وسیم جیسے عبقری شاعر کے چومکھی فن سے ہمیں روشناس کرادیتے ہیں۔مجموعہ کا آغاز شمیم کرہانی کی گفتگو سے ہوتا ہے۔شمیم کرہانی کے قریب وسیم کی شخصیت اس شاعر کی ہے جو"داخلی غم سے سماجی اور انسانی غموں کا نشاطیہ درماں تلاش کرتا ہے"۔آگے چل کر وسیم کی تحریر"سوچتے لمحے جاگتی دھوپ" سے ملاقات ہوتی ہے موصوف نے اپنی نثر سے کلاسیکیت سے آج تک کی شاعری پر خوبصورت گفتگو کی ہے۔ساتھ ہی غزل جیسی صنف کی وکالت بھی کرتے نظر آتے ہیں۔تحریر کے درمیان وسیم نے اپنے ابھی تک کے سارے مجموعہ ہائے کلام کی تفصیل بھی پیش کی ہے۔اور نوجوانوں کو مخاطب کر ان سے امیدیں ظاہر کی ہیں کہ یہی وہ چراغ ہماری تہذیب کے علمبردار ہیں۔اس شعری مجموعہ کا آغاز وسیم کے اس معنی خیز شعر سے ہوتا ہے جو محبوب کے محبت کی پاکیزگی اور اس کی سچی محبت کے اور وفا کی دلیل پیش کرتا ہے:

اس نے کیا لاج رکھی ہے میری گمراہی کی
کہ میں بھٹکوں تو بھٹک کر بھی اسی تک پہنچوں

تیرا خیال بھی کیسا عجیب جادو ہے
جو ساری عمر میری زندگی پہ چلتا ہے

مندرجہ بالا اشعار یقیناً لوگوں کے دل و دماغ کو موہ لیتے ہیں اور غور و فکر کی جانب متوجہ کراتے ہیں۔ ساتھ ہی اس درد کو تازہ کر دیتے ہیں جو میر کی غزلوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ وسیم کی غزلوں کے متعلق ڈاکٹر احمر لاری کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"ان کی غزلوں میں میرؔ اور مصحفیؔ کے گہرے اثرات ہیں۔ ان کی دردمندی اگر میر کی یاد دلاتی ہے تو ان کی نیرنگی نظر مصحفی کی۔ وسیم کے کلام میں جذبے کی شدت بھی ہے فکر کی تازگی بھی ہے اور اپنے عہد اور ماحول کی عکاسی بھی۔ وہ لفظوں سے کھیلتے نہیں بلکہ انھیں برتتے ہیں اور ان کے ذریعہ معنویت کا جادو جگاتے ہیں"

مجموعہ میں سب سے پہلی غزل مجموعہ کلام کے نام "آنکھوں آنکھوں رہے اور کوئی گھر نہ ہو" سے شروع ہوتا ہے اس میں تقریباً ۸۴ غزلیں، کچھ قطعات اور تنہائیے کے عنوان سے بہت سارے متفرق اشعار اپنی گہرائی و گیرائی اور معنویت سے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ پوری کتاب ۱۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

وسیم کا چوتھا شعری مجموعہ "موسم اندر باہر کے" نام سے پہلی بار جون ۲۰۰۷ میں آیا جسے مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی نے شائع کیا ابھی تک کے مجموعہ میں یہ سب سے الگ نظموں اور گیتوں پر مشتمل ہے۔ اس سے وسیم کی نئی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کا سرورق ہی اتنا سنجیدہ ہے کہ اسے دیکھ کر کچھ وقت ٹھہرنا پڑتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تصویر میں کچھ راز پنہاں ہیں۔ لیکن وسیم کے کلام کی بے چینی زیادہ دیر رکنے نہیں دیتی اور مجبوراً مجموعہ کلام کو کھولنا ہی پڑتا ہے۔ موصوف نے اس کا انتساب اپنے کچھ عزیز دوستوں کے نام کیا ہے۔ مجموعہ کا آغاز "ڈاکٹر کنور بے چین" کی تحریر سے ہوتا ہے۔ کنور صاحب نے وسیم کی شخصیت اور ان کی شاعری پر تقریباً ۱۹ صفحات کا مقدمہ تحریر فرمایا ہے جسے پڑھ کر وسیم کی شخصیت اور ان کی نظموں اور گیتوں کا رنگ و آہنگ آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے۔ موصوف نے کئی گیتوں اور نظموں پر سیر

حاصل گفتگو کر دلیل کے ساتھ وسیم کے کلام کو ہندوستانی فلسفہ اور ثقافت کا آئینہ دار قرار دیا ہے ساتھ ہی ان کو امیر خسرو کی طرح آسان زبان میں گیت کہنے والا اور ہندوستانی فلسفے کو اپنے گیتوں میں سمو لینے والا بتایا ہے۔ کنور کی نظر میں وسیم نے ''کبیر کی طرح خدا کو عاشق (ساجن) اور روح کو معشوقہ مانا ہے'' کسی حد تک یہ باتیں بالکل واجب معلوم ہوتی ہیں کیوں کہ وسیم کے گیتوں میں جو سہل پسندی، عصری شعور و وجدان، فکری تسلسل، حسن نگارش، سرسوں کی خوشبو، گاؤں کے ماٹی کی مہک، غریبوں کے جذبات کی قدر اور بھولا پن، موجود ہے وہ عموماً دیکھنے کو نہیں ملتا۔ جو وسیم کے گیتوں اور نظموں کو لوگوں میں ایک منفرد مقام دلانے کے لیے کافی ہے۔

آگے وسیم نے ''آنسو لفظ اور پھیلتے رنگ'' کے عنوان سے جو لکھا ہے اس کا ابتدائی جملہ کچھ یوں ہے۔ جس سے وسیم کی غزل سے محبت، گیتوں سے قربت، اور نظموں سے اٹوٹ رشتہ کا پتہ بڑی آسانی سے چلتا ہے۔ ملاحظہ کریں:

> ''غزل میری ذاتی جذباتی تربیتی مجبوری رہی تو نظم تہذیبی دائروں میں رہ کر خود سے بے تکلف ہونے کی آرزو اور گیت بچپن کے گاؤں کی خفیہ آنکھ مچولیوں کی دھما چوکڑی کے کبھی نہ بھولائے جانے والے بے ضرر لمحات کے رومان انگیز رومانی بازیافت''۔

اتنی مختصر مگر تہہ دار گفتگو میں وسیم نے تین صنف سے اپنے اٹوٹ رشتوں کو بیان کر دیا۔ جس سے وسیم کے دلی جذبات کا پتہ ملتا ہے۔ اس گفتگو میں موصوف نے اپنے بچپن کے جذبات و احساسات، تجربات و مشاہدات کو کچھ اس انداز میں سمویا ہے کہ پڑھنے والا اگر ذرا بھی سنجیدہ ہو اور اس نے گاؤں کے کھیتوں کی مینڈوں پر، آم کے باغوں میں، سرسوں کے کھیتوں میں، ساون کے جھولوں پر، اور کوئل کی کوک کے درمیان میں اگر وقت گزارا ہوگا تو اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک ہی جائیں گے۔ وسیم زمانے کے ساتھ نہ بدلے بلکہ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعہ زمانے کو بدلنے کا بیڑا اٹھایا۔ مجموعہ کلام میں شامل وسیم کے زیادہ تر کلام ذاتی، جذباتی، واقعاتی اور موضوعاتی بھی ہیں جس میں گاؤں کے ماٹی کی خوشبو اور خلیجی ممالک کے عطر کی بھی خوشبو شامل ہے۔ موصوف نے تقریباً ۷۳ گیتوں اور نظموں کو کتاب میں شامل کیا ہے۔ کتاب کی

ضخامت ۱۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

وسیم کا پانچواں مجموعہ ''انداز گزارش'' کچھ نہیں بلکہ بہت مختلف ہے کیوں کہ یہ ''نعتوں کا مجموعہ ہے'' جو پہلی بار فروری ۲۰۰۹ میں منظر عام پر آیا۔ وسیم نے انداز گزارش کے عنوان سے اس مجموعہ کو شائع کیا ہے۔ کتاب کا سرورق ہی کتاب کی سنجیدگی اور متانت سے لبریز نظر آتا ہے۔ مجموعہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

سلیقہ ہی نہیں شاید اسے محسوس کرنے کا
جو کہتا ہے خدا ہے تو نظر آنا ضروری ہے

شعر کی سنجیدگی، سادہ بیانی اور محبوب حقیقی پر بیش بہا اعتماد ہی وسیم کی محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ ''وسیم بریلوی کی نعتیہ شاعری کا آغاز'' کے عنوان سے شاہ سید آباد جعفری اشرفی نظامی کا مضمون پڑھنے کو ملتا ہے جس میں موصوف نے نعت کی تاریخ، اس کی تعریف اور محبوب حقیقی کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک جملوں کا استعمال کیا ہے۔ جعفری صاحب نے وسیم کے کچھ شعروں کے ذریعہ ان کی پوری شخصیت کو نمایاں کیا ہے اور کچھ اشعار کے تجزیہ بھی پیش کئے ہیں۔ اس مضمون کے اختتام کے بعد ایک نیا مضمون (وسیم بریلوی کیفیتوں کا شاعر) کے عنوان سے احمد نور کلکرالوی نے لکھا ہے جس کے مطالعہ سے قاری نبی پاک کے کردار سے روشناس ہوتا ہے ساتھ ہی موصوف نے وسیم کے منفرد لب ولہجہ کی جم کر تعریف کی ہے اور شعروں کے انتخاب سے اسے ثابت بھی کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جس میں وسیم کے نعت کہنے کے مزاج، محبوب حقیقی سے ان کی بے لوث محبت، اور کچھ اشعار کے تجزیہ کے ذریعہ کلام کے اعلیٰ تخیل، اردو نعت گوئی میں اعلیٰ مقام، اور منفرد لب ولہجہ کو بھی ثابت کیا ہے۔

وسیم بریلوی نے عرض عاجز کے عنوان سے لکھ کر اس مجموعہ کے شامل تمام تر چیزوں سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔ مجموعہ میں تقریباً ۳۶ نعت شامل ہیں اور آخر میں ایک گیت بھی شامل کر دیا ہے۔ چلتے چلتے ایک نعت ملاحظہ کریں:

میرے رونے کا انداز گزارش کون سمجھا ہے
کہ ہر آنسو مدینے باریابی کی تمنا ہے

کھڑی ہیں دست بستہ خوشبوئیں پھولوں کی پلکوں پر
کسی کا جیسے نعت پاک کہنے کا ارادہ ہے

خدا ہی لاج رکھے گا مرے شوق زیارت کی
نظر آداب سے واقف نہ آنکھوں کو سلیقہ ہے
زمانہ بٹ گیا طبقوں میں خانوں میں مگر آقا
تمھاری بزم میں کوئی نہ اونچا ہے نہ نیچا ہے

وسیم امت میں ان کی ہو تو ذمہ داریاں سمجھو
تمھارا ہر عمل سرکار کی نظروں میں تلتا ہے

ان کے علاوہ وسیم کے کلام سے متعلق اور بھی کتابیں منظر عام پر آ کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔مزے کی بات تو یہ ہے کہ زاہد میاں صرف اردو والوں کے دلوں کی دھڑکن نہیں بلکہ ہندی والوں کے دلوں پر بھی حکومت کرتے ہیں جس کا ثبوت ان کے کئی شعری مجموعہ ہیں جو دیونا گری میں منظر عام پر آ کر اپنی روشنی بکھیر رہے ہیں۔آنسو میرے دامن تیرا (دیوانا گری) ۱۹۷۲ء، اس کے علاوہ ''مزاج'' وسیم بریلوی کا وہ مجموعہ کلام ہے جو شعری انتخاب ہے۔اسے اظہر عنایتی نے انتخاب اور ترتیب دیا ہے۔ ۱۹۹۰ میں یہ منظر عام پر آیا۔انتساب ''اس کے نام جس نے مجھے نام دیا'' مجموعہ کلام کے آغاز میں ہی موصوف نے خود سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں وہ بہت اہم ہیں۔عموماً ایسے کاموں میں انسان غلطیاں کر ہی جاتا ہے جو وسیم بریلوی ایک نظر کے عنوان سے شامل کتاب ہے۔اس کے بعد وسیم بریلوی نے ''مجھ سے مجھ تک'' کے عنوان سے جو گفتگو کی ہے اس سے وسیم کے قریب شاعری کی اہمیت وافادیت کا پتہ چلتا ہے۔شاعر نے اپنی زندگی کے تمام تر احساسات سے ہمیں روشناس کرا کر شاعری کو زندگی کی علامت سے تشبیہ بھی دی ہے کہ اگر یہ صنف نہ ہوتی تو شاید میرا وجود خطرے میں پڑ جاتا میری زندگی شاعری کی قرض دار ہے۔یہ مجموعہ موصوف کی ادبی زندگی کا تیسرا پائے دان ہے وسیم کی فکر اور ان کے اعلیٰ خیالات کا بہترین اندازہ

ان کے اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے۔

وسیم کیسے میری منزلیں قریب آئیں
تمام عمر ارادے میرے سفر میں رہے

مجموعہ میں شامل تحریروں کے مطالعہ کے بعد کچھ متفرق اشعار سے سامنا ہوتا ہے۔اس کے بعد وسیم بریلوی نے تقریباً ۵۴ غزلیں شامل کتاب کی ہیں اور آخر میں تنہائیے کے عنوان سے ڈھیر سارے متفرق اشعار بھی شامل ہیں۔ کچھ اشعار ملاحظہ کریں:

کتنی گناہ گار ہے راتوں کی زندگی
دیکھو کسی چراغ کی آنکھوں میں جھانک کر

☆

شاید اسے یہ درد کا پہلو پتہ نہ تھا
وہ دیکھتا تو ایک ہی آنسو میں کیا نہ تھا

☆

وسیم اپنے اندھیروں کا خود علاج کرو
کوئی چراغ جلانے ادھر نہ آئے گا

☆

نظر میں آئیں گے چہرے نہ جانے کس کس کے
دعائیں مانگیے محفل میں روشنی کم ہو

☆

تمھارے بارے میں کچھ سوچنے کا حق بھی نہیں
مگر تمھارے ہی بارے میں سوچتا ہوں میں

☆

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھیے
اور سوچیے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے

اپنے ماضی سے کبھی ملنے چلا آتا ہوں
تیرے اس شہر سے ورنہ مرا رشتہ کیا ہے

"میرا کیا" ۲۰۰۱ء اور ۲۰۰۷ء اس نام سے موصوف کے دو مجموعہ کلام ہیں جو اردو زبان کے ساتھ دیونا گری میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں پر ہم اردو والے شعری مجموعہ کی بات کر رہے ہیں۔ یہ غزلوں کا انتخاب ہے اسے اردو ادب میں اپنی ایک الگ شناخت پیدا کئے ہوئے ادارے مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی نے شائع کیا۔ جس کے Title Cover کی پشت پر فراق گورکھپوری کے چند کلمات سے ملاقات ہوتی ہے۔ موصوف نے وسیم کی شاعری پر بہترین گفتگو کی ہے اور ان کے کلام کو ہمیشہ زندہ رہنے والا بتایا ہے: بقول فراق گورکھپوری:

> "وسیم کے کلام میں آگہی اور شعور کی تہوں کا جائزہ ہے۔ اور ایسا شعور اور آگہی جو کیف وسرور کا گلدستہ ہے۔ یہ اکثر خدوخال سے بلند ہو کر کائنات کی رنگینیوں اور دل کشیوں سے لطف حاصل کرتے ہیں۔ شاعری بھی دراصل وہی شاعری ہے جو اپنے وجود سے ہمیں اپنی زندگی کی نزدیک تر چیزوں کا احساس دلاتی ہے۔ وسیم کی شاعری احساس حیات کی احساس افزا شاعری ہے۔ اور اسی آئینہ احساس میں دور کے عکس نزدیک کے عکس پر جلا کر رہے ہیں، لیکن وسیم ہر عکس کے درمیان مستقل وجود کا احساس دلا رہے ہیں"

شعری مجموعہ کے آغاز میں شاعر محشر بدایونی نے اپنے قلم کا زور دکھا کر وسیم کی شخصیت اور ان کی شاعری سے متعلق اچھی گفتگو کی ہے اور وسیم کو "متوازن جذبہ واحساس اور گہری معنویت لفظ و بیاں کا شاعر" قرار دیا ہے۔ وہیں دوسری جانب "شکست شیشہ دل کہیں جسے" کے عنوان سے نشور واحدی نے وسیم کے کلام پر سیر حاصل گفتگو کر یہ فیصلہ کیا کہ ان کے کلام "طویل داستان غم کا عنوان ہے" جس میں ایک ساتھ کئی باتیں شامل ہیں۔ مجموعہ میں وسیم نے "آنکھ اکیلی خواب بہت" کے عنوان سے جو باتیں کہی ہیں وہ دور حاضر کی فحاشی، عریانیت اور دولت وشہرت کی ہوس میں پاک رشتوں اور پاکیزہ محبت کی قدروں کو کھو دینے والے سماج پر اور ان لوگوں پر جو سب کچھ جان بوجھ کر بھی اندھوں اور بہروں کی زندگی گزارنے پر آمادہ ہیں ان پر گہری چوٹ کی ہے۔ جس طرح وسیم کی شاعری میں اعلیٰ خیالات اور

گہرے افکار جنم لیتے ہیں ٹھیک اسی طرح ان کے کلام میں ایک دور سانس لیتا ہے۔ وسیم کی شاعری کے ساتھ ان کی نثر بھی بے حد متاثر کرتی ہے۔ وسیم نے ان تمام باتوں کے پیش نظر اس مجموعہ کلام کو وجود میں لایا جو گزشتہ ۱۰ برسوں کے حادثات وواقعات پر محیط ہے۔

یہ مجموعہ تقریباً ۱۷۲ صفحہ پر مشتمل ہے جس میں وسیم بریلوی نے اپنی غزلوں کا انتخاب کیا ہے۔ اس میں تقریبا ۱۴۲ غزلیں شامل ہیں اور آخر میں "تنہا تنہا" کے عنوان سے کچھ متفرق اشعار بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جو ہمیں شاعر کے الگ الگ اوقات کے تجربات ومشاہدات اور حادثات سے روشناس کراتے ہیں۔

ہندی اور اردو "وسیم بریلوی کے ضرب المثل اشعار" کے عنوان سے ڈاکٹر جاوید نسیمی نے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ جو ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر آئی اور اس کتاب میں موصوف نے دو زبانوں اردو اور ہندی کو شامل کیا ہے۔ موصوف نے کتاب کے آغاز میں "وقت کی ضرورت" کے عنوان سے جو خیالات تحریر کئے ہیں وہ کافی معلومات افزا ہیں جس کا پڑھنے سے تعلق ہے۔ نسیم نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ "وسیم بریلوی کے ان ضرب المثل اشعار کو یکجا کرنے کے کام کو وسیم بریلوی کی طرف داری نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ادبی خدمت اور وقت کی ضرورت ہے"۔ ڈاکٹر جاوید نسیمی کی باتوں سے اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ موصوف نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے کئی دلائل پیش بھی کئے ہیں۔ اس میں سب سے اہم بات جو میرے قریب آئی وہ یہ کہ آج کل بہت سے ایسے اشعار ہیں جو کسی اور کے ہیں اور کسی اور کے نام سے یا نا معلوم کے نام سے پڑھے جا رہے ہیں۔ اس کی مثال موصوف نے سیاسی لیڈروں، ادیبوں اور فلمی اداکاروں کی غلطیوں کے ساتھ کئی مثالوں کے حوالے بھی پیش کیے ہیں جنھیں پڑھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور قاری غور وفکر کرنے کی جانب مجبور بھی ہوتا ہے۔ کتاب میں دیئے ہوئے اشعار حقیقتاً بہترین ہیں اس سے موصوف کی محنت اور لگن کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر موصوف نے ہندی والے حصے میں الفاظ معنی کا بھی ایک گوشہ قائم کر دیا ہوتا اور ہندی کی Proof Reading صحیح سے کر لی ہوتی تو کتاب کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ اس مجموعہ میں شامل کچھ اشعار ملاحظہ کریں:

لگا کے دیکھ لے جو بھی حساب آتا ہے
مجھے گھٹا کے وہ گنتی میں رہ نہیں سکتا

☆

ساری دنیا کی نظر میں ہے میرا عہد وفا
اک ترے کہنے سے کیا میں بے وفا ہو جاؤں گا

☆

جلتے ہوئے مکانوں کے منظر بتائیں گے
کیا بات تھی جو روٹھ گئے روشنی سے ہم

☆

اپنے ہر ہر لفظ کا خود آئینہ ہو جاؤں گا
اس کو چھوٹا کہہ کے میں کیسے بڑا ہو جاؤں گا

☆

جو مجھ میں تجھ میں چلا آ رہا ہے صدیوں سے
کہیں حیات اسی فاصلے کا نام نہ ہو

☆

یہ سوچ کر کوئی عہد وفا کرو ہم سے
ہم ایک وعدے پہ عمریں گزار دیتے ہیں

☆

اپنا دل بھی ٹٹول کر دیکھو
فاصلہ بے وجہ نہیں ہوتا

☆

دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت
یہ اک چراغ کئی آندھیوں پہ بھاری ہے

مندرجہ بالا اشعار ہماری سوئی ہوئی فکر کے دریچوں کو وا کرتے ہیں، اور دلوں پر لگے ہوئے زخموں کو تازہ کرتے ہیں۔ وسیم کے اشعار میں فکر کی گہرائی، سماج کی برائی، احساس کی چاہت، محبوب سے امیدیں، وغیرہ ایک ساتھ سانس لیتے ہیں۔ ان کے اشعار میں وہ چنگاری پنہاں ہے جو کسی مجبور کے لیے آگ کا انتظام بھی کرسکتی ہے اور کسی کو جلا کر خاک بھی کرسکتی ہے۔ کچھ اشعار تو ایسے ہیں جو تاریخ ساز کا کام کرتے ہیں۔ وسیم بریلوی کے اشعار کی بہترین وضاحت کے لیے احمد جاوید کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''وسیم کی شاعری اپنے عہد کی ایک درد آگیں داستان سناتی ہے ان کے ہر لفظ میں ایک ٹیس اور ہر لے میں ایک آہ سی محسوس ہوتی ہے جو ایک چنگاری سی دلوں میں اتار دیتی ہے۔ لیکن ایک عجیب سی مٹھاس اور ایک بے حد پر کیف نغمگی کے ساتھ۔ آگے مزید تحریر کرتے ہیں۔ غزل کے نازک آبگینہ میں غم روزگار کی حکایتیں پیش کرنا کوئی وسیم بریلوی سے سیکھے۔۔۔۔ انھوں نے شعوری طور پر اپنی ایک راہ نکالی تھی جس سے وہ کبھی نہیں ہٹے۔ بہ غور دیکھیں تو وہ ان شعرا میں ہیں جو دو نسلوں کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بالخصوص اردو کی نعتیہ شاعری کو جن شعرا نے جدید حسیت، نئی لفظیات اور فکری وفنی تازگی سے ہمکنار کیا ان میں ایک نام وسیم کا بھی ہے۔۔۔۔ اسی طرح نئی نعت کے پیش رووں میں سب سے پہلے وسیم کا نام، ذہن پر دستک دیتا ہے''۔

مختصر یہ کہ دور حاضر کے شعرا میں وسیم ایک منفرد آواز ہیں۔ جن کی شاعری صرف دیدہ و دل کے تسکین کا سامان نہیں فراہم کراتی بلکہ لوگوں کے ذہن کے فکری باب کو وا کرنے کا ہنر جانتی ہے۔ وسیم کے گیت، نظم، غزل، قطعات، منقبت، اور نعت ایک انفرادی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کے کلام کے ذریعہ ہمیں ان کے کلاسیکی ادب، ان کی گہری نگاہ کا علم ہوتا ہے کہ ان کا کلام کس قدر معنی خیز ہے۔ وسیم کے کلام آنے والے ادب کا بہترین سرمایہ ہیں جس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

☆☆☆

# اپنے ہی عہد میں اک شخص فسانہ بن جائے

ابرار کاشف

کہتے ہیں عشق پہلی نظر کے پہلے لمحے میں ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے شہر امراؤتی کی ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کی وہ خوبصورت، حسین و جواں شام جب امبا فیسٹیول کے مشاعرے کے ڈائیس پر قدرے تاخیر سے ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے اور دس ہزار کے مجمع کی دل کی آنکھوں کو ملا کر کئی ہزار آنکھیں مشاعرے کے ختم ہو جانے تک اس شخصیت کے چہرے اور سراپے کا طواف کرتے نہیں تھکتیں۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

جی ہاں! یہ ہیں ہمارے پروفیسر وسیم بریلوی!! ہم بہ حیثیت ناظم مشاعرہ وسیم صاحب کا استقبال کرواتے ہیں اور یقین کیجیے سامعین سے کھچا کھچ بھرا آڈیٹوریم ہمارے کچھ کہے بغیر پروفیسر صاحب کے احترام میں کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگتے ہیں۔ ہمارے ذہن کے پردے پر وسیم صاحب کا یہ شعر ابھرا

میں اس طرح جیا ہوں کہ یقین ہو گیا ہے　　　میرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہوگا

خدائے پاک نے وسیم صاحب کے اس یقین کے جسم کو احترام کی پوشاک عطا کر دی آج وسیم بریلوی جو زندگی جی رہے ہیں وہ قابل رشک ہے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ہم بھی ان کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج تک اظہار نہ کر سکے۔ شاید عشق عبادت کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ یہ تھی ان سے ہماری پہلی ملاقات!

دوسری ملاقات میں مشاعرے سے قبل شہر امراؤتی کی ایک ذمہ دار، سماجی، ادب نواز شخصیت جناب اختر حسین صاحب نے وسیم بریلوی صاحب کو اپنے دولت کدہ پر مدعو کیا تو وسیم صاحب نے اپنی اسٹارڈم والی امیج کو بالائے طاق رکھ کر ہمارے بڑے بھائی اور دوست پروشتم ہروانی اور ہمارے قریبی دوست ڈاکٹر ناصرالدین انصاری صاحب کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو کر حق میزبان کو مجروح نہ ہونے دیا، موصوف کا یہ عمل ان کے اخلاص، سادگی، اعلیٰ ظرفی اور میزبان نوازی کا اہالیان امراؤتی کے دلوں پر ایک ایسا انمٹ نقش قائم کر گیا جسے حالات کے سمندر کی منہ زور لہریں بھی مٹا نہیں سکتیں۔ اس کے بعد ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ چلتا رہا جو آج بحر عرب کے اس پار تک جاری ہے۔ ہم سب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں بلکہ فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں پروفیسر وسیم بریلوی جیسے قلم کار پیدا نہ ہوتے تو یہ ملک نابینا ہو کر رہ جاتا اس ملک کی تہذیبی آنکھوں کو بصارت و بصیرت عطا کرنے والوں کی فہرست، پروفیسر وسیم بریلوی کے نام کے بغیر ایسی ہی ہے جیسے شرم وحیا کے بغیر آنکھیں، جیسے مہندی کے بغیر خوبصورت ہاتھ، جیسے چوڑیوں کے بغیر گوری گوری کلائیاں، ہم وسیم صاحب کے نیازمند ہیں، ان سے ہر لحاظ سے بہت چھوٹے ہیں۔ لیکن ان کا دست شفقت ہمیشہ ہمارے سر پر رہا۔ جس کے لیے ہم ذاتی طور پر ان کے ممنون و مشکور ہیں۔ انڈیا اردو سوسائٹی قطر کی نگاہ انتخاب کو مبارک باد، لائف ٹائم اچیومینٹ ایوارڈ اور جشن وسیم بریلوی پر پروفیسر صاحب کو مبارک باد۔ مجلہ کے قیمتی اوراق پر مجھ جیسے طالب علم کے ٹوٹے پھوٹے جملوں کو جگہ دینے کے لیے انڈیا اردو۔ قطر کے فاؤنڈر صدر جلیل نظامی صاحب اور نائب صدر عتیق انظر صاحب اور تمام اراکین سوسائٹی کا شکریہ۔

☆☆☆

# Waseem Bareilvi Shakhs Aur Shaer

*By*

**Qamar Gondvi**